

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_224967

UNIVERSAL
LIBRARY

سلسلہ مطبوعات انجمن ترقی اُردو (ہند) نمبر ۱۷۸

ہمارے بیک

از

محمد احمد سبزواری ایم۔ اے

شایع کردہ

انجمن ترقی اُردو (ہند) دہلی

قیمت مجلد ۱۳ بلا مجلد ۱۴

۱۹۲۲ء

طبع اول

سلسلہ مطبوعات انجمن ترقی اُردو (ہند) نمبر ۱۷

ہمارے بیک

از

محمد احمد سبزواری ایم۔ اے۔ ریسرچ اسکالر

اسٹنٹ سینس آفیسر ریاست بھوپال

شایع کردہ

انجمن ترقی اُردو (ہند) دہلی

۱۹۴۲ء

مضمونوں کی فہرست

| | |
|-----|--|
| ۵ | دوبائیں |
| ۷ | پہلا باب بینک کے معنی، ان کی ابتدا و ترقی اور دنیا کے چند بڑے بینک |
| ۱۹ | دوسرا باب بینکوں کا کام |
| ۳۰ | تیسرا باب اعتباری دستاویزیں - |
| ۳۹ | چوتھا باب ہندستان کے بینکوں کی تاریخ اور پریسڈنسی بینک |
| ۵۴ | پانچواں باب امپیریل بینک آف انڈیا |
| ۶۱ | چھٹا باب مرکزی بینک کا مفہوم اور ہندستان میں اس کی ضرورت |
| ۶۶ | ساتواں باب ہندستان کے مرکزی بینک کی تاریخ |
| ۷۴ | آٹھواں باب ریزرو بینک |
| ۸۴ | نواں باب دوسرے بینک |
| ۹۴ | دسواں باب دوسرے مالی ادارے |
| ۱۰۸ | گیارھواں باب دلہی بینک کار |
| ۱۲۲ | بارھواں باب بینکوں کے بعض مشکل مسئلے |
| ۱۳۸ | ضمیمے (۱) ریزرو بینک کا گوشوارہ |
| ۱۴۱ | (۲) امپیریل بینک کا گوشوارہ |
| ۱۴۷ | (۳) مختلف ملکوں کی امانتوں کا خاکہ |
| ۱۴۳ | (۴) اصطلاحیں |
| ۱۴۸ | (۵) امدادی کتابیں وغیرہ |
| ۱۴۹ | تیرھواں باب بینکاری اور جنگ |
| | ضمیمہ ہندستانی بینکوں کے چند اعداد |

دو باتیں

معاشیات اور معاشی مسئلوں نے اس زمانے میں جو اہمیت اختیار کی ہے وہ کبھی اس سے پہلے ان کو حاصل نہ تھی، آج ساری سیاست معاشیات کے بل بوتے پر چل رہی ہے اور اصل حقیقت بھی یہ ہے کہ معاشی معاملوں کو اپنے مطلب کے مطابق سدھارنے اور معاشی واقعوں کو اپنے موافق ڈھلانے کا نام ہی اعلیٰ سیاست اور تدبیر ہے۔ روزمرہ کے واقعے اور مشاہدے اس کی پوری پوری تصدیق کر رہے ہیں، ایسی صورت میں انجمن ترقی اور دو کی یہ کوشش بڑی قابل تعریف ہے کہ ان اہم اور بنیادی چیزوں کو ہندستان کی عام زبان میں عوام تک پہنچایا جائے تاکہ وہ ان باتوں سے واقف ہو کر صحیح رائے قائم کر سکیں اور حالات سے ٹھیک ٹھیک طور پر باخبر ہو سکیں۔

معاشیات میں جو چند چیزیں بڑی پیچیدہ اور دقت طلب ہیں ان ہی میں بینک شامل ہیں پھر بینک اور زرگو بظاہر دو الگ الگ چیزیں ہیں لیکن عملی حیثیت سے ان کا چولی دامن کا ساتھ ہے اور ان کے مسئلے بعض دقت اپنے انہوں کو بھول بھلیاں میں ڈال دیتے ہیں۔ کوشش کی گئی ہے کہ بینکوں کی تفصیل، ان کی اہمیت اور ان کے کاموں کی تشریح

زر کی اُبھنوں سے بچا کر سیدھے سادے طریقے پر پیش کر دی جائے، زبان آسان اور سادہ رکھنے کی کوشش کی گئی ہے، بہت سی اصطلاحوں کو بھی سہل کر دیا ہے مگر پھر بھی بعض مشکل اصطلاحیں اپنی جگہ پر قائم ہیں اور بعض قلم کی روانی میں برقرار رہی ہیں۔ عوام تک علمی چیزیں پہنچانے کا یہ طریقہ آہستہ آہستہ ہی معیاری صورت اختیار کر سکتا ہے۔ آخر میں اصطلاحوں کی ایک فہرست اردو حروف کے لحاظ سے دی ہے تاکہ اُردو میں جو لفظ آئے فوراً اس کی انگریزی اصطلاح معلوم ہو سکے۔

کام زیادہ مشکل نہ تھا مگر جس ماحول اور جن واقعات میں کیا گیا انہوں نے اس کو دشوار ضرور بنا دیا۔ اب یہ بات کہ یہ کوشش کہاں تک کامیاب ہوئی اس کا فیصلہ پڑھنے اور دیکھنے والوں پر منحصر ہے۔

محمد احمد سبزداری
بھوپال

۱۶ جنوری ۱۹۳۲ء

باب (۱)

بینک کے معنی، ان کی ابتدا و ترقی اور
دُنیا کے چند بڑے بینک

بینک کی کوئی جامع تعریف نہیں کی جاسکتی، اور بالخصوص اس زبانی میں جبکہ ان کی اہمیت بہت بڑھ گئی ہو اور ایسی صورت میں جبکہ ان کے فرائض اور ذمہ داریاں گونا گوں ہو گئی ہوں، بہر حال مختصر طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ”بینک ایک ایسا ادارہ ہے جہاں زر اور اعتبار کا لین دین ہوتا ہے“ اب زر اور اعتبار کا کیا مفہوم ہے اور ان کا لین دین کس طرح ہوتا ہے؟ اس کی تشریح آگے چل کر خود بخود ہو جائے گی۔

بینکوں کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ انسان میں اپنی آئندہ ضرورتوں کے

خیال سے اپنی موجودہ آمدنی کا کچھ حصہ بچانے کا خیال ہمیشہ سے رہا ہے ہر زمانے اور ہر ملک میں ایسے دور اندیش اور سمجھ دار لوگ پائے جاتے تھے جو اپنی آمدنی کا کچھ حصہ ارٹے وقت کے لیے بچا کر رکھا کرتے تھے مگر اُس زمانے میں ان اندوختوں کو محفوظ رکھنے کے لیے ایسے طریقے نہ تھے جیسے کہ آج کل نظر آتے ہیں۔ عام طور پر یہی ہوتا تھا کہ تین دفینوں کی شکل میں زمین کے اندر دفن کر دی جاتی تھیں یا صندوقوں اور تجویروں میں رکھی جاتی تھیں، مگر یہ دونوں طریقے کچھ زیادہ مفید اور محفوظ نہ تھے چونکہ مستقل امن و امان نہ تھا اور ہر وقت لڑائی جھگڑے

ہوا کرتے تھے اس لیے مال خطرے میں رہتا تھا۔ دینوں کا راز صرف دفن کرنے والوں کو معلوم ہوتا تھا اور اس میں اس قدر زیادہ احتیاط برتی جاتی تھی کہ اپنی اولاد تک کو مرنے سے ذرا پہلے تک اس کی اطلاع نہیں دی جاتی تھی۔ عموماً بسترِ مرگ پر دصیتوں کے ساتھ اس راز کا بھی انکشاف ہوا کرتا تھا اور بعض وقت تو یہ راز ہمیشہ کے لیے راز ہی رہ جاتا تھا جو لوگ صندوق، تجوری، مٹی یا تانبے کے برتن اپنی رقموں کو محفوظ رکھنے کے لیے استعمال کرتے تھے وہ بھی ہمیشہ خطرہوں سے گھرے رہتے تھے، دن کو اکیلا مکان چھوڑنے ہوئے وحشت ہوئی تھی۔ رات کو زرا سے کھٹکے سے آنکھ کھل جاتی تھی۔ پہرے دار، پاسبان اور چوکیدار رکھنے پڑنے تھے اور ان کے باوجود جب کبھی ڈاکہ پڑتا تو پوشیدہ چیزوں کی جگہ معلوم کرنے کے لیے گھر والوں پر جو ظلم و ستم تو رہتا جاتے تھے ان کا اندازہ اب بھی ان خبروں سے ہو سکتا ہے جو ذمہ داری کے سلسلے میں کبھی کبھی اخباروں میں نظر آ جاتی ہیں۔

ان مشکلوں اور دشواریوں کی وجہ سے حضر میں عموماً اور سفر میں خصوصاً اس بات کی ضرورت محسوس ہوتی تھی کہ اپنے اندوختے ایسے لوگوں کے پاس محفوظ کر دیے جائیں جو ان کی حفاظت بھی کر سکیں اور بددیانتی کے بھی مرتکب نہ ہوں چنانچہ قدیم زمانے میں مختلف ملکوں میں طح طح کے طریقے نظر آتے ہیں مثلاً قدیم دہلی میں صرف لندن میں سنار ہندستان میں ساہوکار اور اسلامی سلطنتوں میں قاضی "امین" کی خدمت انجام دیا کرتے تھے، اول الذکر تینوں آدمی اپنے کاروبار کے لحاظ سے یہ کام کرتے تھے اور آخر الذکر اپنی

مذہبی حیثیت کی وجہ سے مقدس اور قابل اعتماد سمجھے جاتے تھے مگر ہر جگہ ایسے واقعات پیش آتے رہتے تھے کہ انہوں نے امانت میں نجات کی چنانچہ اس قسم کے متعدد واقعے ہماری قلمی کہانیوں کی کتابوں میں ملتے ہیں، بظاہر ان کی حیثیت افسانوں سے زیادہ نہیں مگر یہ اس زمانے کی معاشرت کے اس سُرخ پر بڑی اچھی روشنی ڈالتے ہیں۔

ان حالات میں اگر کوئی شخص ایک مضبوط اور مستحکم گودام بنوائے اور لوگوں کے اندوختے محفوظ رکھنے کی ذمہ داری لے، اور اگر لوگوں کو اس پر اعتماد بھی ہو تو لوگ بڑی خوشی سے اپنے اپنے اندوختے اس کے حوالے کرنے کو تیار ہو جائیں گے اور امین سے اس مضمون کی ایک رسید حاصل کر لیں گے کہ ”حامل ہذا کو مندرجہ رقم عند الطلب ادا کر دی جائے گی“ اس طرح عوام نہ صرف اندوختوں کی حفاظت کی فکر سے بچ جائیں گے بلکہ وہ آپس کے لین دین میں زر کے بجائے ان رسیدوں کو بھی استعمال کر سکیں گے اور جب یہ رسیدیں مستند اور قابل اعتبار آدمیوں کی ہوتی ہیں تو یہ خود ہی دست بدست گھومنے لگتی ہیں اور انھی رسیدوں نے بعد میں نوٹوں کی شکل اختیار کر لی۔ نوٹ بھی دراصل ایک قسم کی رسید ہے جس پر یہ وعدہ لکھا ہوا ہوتا ہے کہ ”حامل ہذا کو مندرجہ رقم ادا کر دی جائے گی“ اگرچہ بینک نوٹ سب سے پہلے ۱۹۵۵ء میں بینک آف سوئڈن نے جاری کیے مگر چین میں ۱۹۴۹ء میں بھی نوٹوں کا رواج تھا اور یہ اسی قسم کی رسیدیں تھیں۔ پُرانے زمانے میں اکثر جگہ ساموکاروں، صرافوں اور ساروں کی رسیدیں دست بدست گھوما کرتی تھیں۔

اسی طرح ابتدائی عہد کے نوٹ بڑی آزادی سے ادھر ادھر گھومتے تھے مگر جب ان پر پابندیاں لگا دی گئیں اور صرف خاص خاص بینکوں کو نوٹ جاری کرنے کی اجازت ملنے لگی اور وہ بھی ایک معینہ مقدار سے زیادہ نوٹ جاری نہ کر سکتے تھے تو کاروبار کی وسعت نے خود بخود ایسی چیزیں پیدا کر دیں کہ بغیر زر کے کاروبار ہونے لگے اس سے ہمارا مقصد چمک کاروبار میں جس کی تفصیل آئندہ بیان کی جائے گی۔

اب ایسے شخص کی مثال لیجئے جو لوگوں کی امانتیں محفوظ رکھتا ہو اس کو کچھ دنوں کے تجربے کے بعد معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کے تمام امانت دار ایک ہی وقت میں اپنی رقمیں واپس طلب نہیں کرتے اگر ایک طرف رقم کا کچھ حصہ اس کے پاس سے باہر جانا رہتا ہے تو دوسری طرف کچھ مزید رقم اس کی تجوری میں داخل ہوتی رہتی ہے اور ان دونوں کا اوسط عام حالات میں قریب قریب برابر ہی رہتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کے پاس ایسی رقم کثیر مقدار میں ہوتی ہے جو تجوری میں بے کار بڑی رہتی ہے اب اگر کسی دن بیٹھے بیٹھے اس کو یہ خیال آیا کہ اس زائد رقم کو بے کار ڈالنے سے یہ بہتر ہے کہ اس کو کسی کاروبار میں لگا دیا جائے تو کیا ہے؟ مگر ساتھ ہی وہ یہ بھی سوچتا ہے کہ کاروبار ایسا ہونا چاہیے کہ اس میں رقم پھنس نہ جائے بلکہ اگر کسی وقت امانت دار اپنی رقمیں واپس طلب کریں تو فوراً کاروبار سے رقم نکالی جاسکے اور ان کے حوالے کی جاسکے چنانچہ وہ رقم ایسے ضرورت مندوں کو قرض دینا شروع کرتا ہے جو تھوڑے عرصے میں یہ رقم واپس کر دیں، ساتھ ہی کوئی معتبر ضمانت پیش کر سکیں اور اس رقم کو اپنی ضرورت میں

استعمال کرنے کا کچھ معاوضہ بھی دے سکیں۔ ابتدا میں وہ ڈرتے ڈینے اس کام میں ہاتھ ڈالتا ہی مگر بہت جلد تجربہ اس کو بہتا دیتا ہے کہ یہ کاروبار بہت نفع بخش ہے اور اس میں کچھ زیادہ خطرہ بھی نہیں ہے اب اس کو اس کام کی اتنی چاٹ لگ جاتی ہے کہ وہ اس کی بجائے کمانت داروں سے ان کی رقموں کی حفاظت کا کوئی معاوضہ طلب کر لے آتا ان کو کچھ معاوضہ دینے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ یہ معاوضہ بڑا چھوٹا ہوتا ہے۔ ایک طرف تو پہلے سے پس انداز کرنے والوں کو ترغیب دیتی ہے کہ زائد پس انداز کریں، دوسری طرف ان لوگوں کو تحریک دیتی ہے جو اپنی رقمیں بطور دفتروں کے گھروں میں محفوظ رکھا کرتے تھے کہ وہ یہ مدفون رقمیں اس کے گودام میں داخل کر دیں۔ اعتبار اور اعتماد جتنا بڑھتا جاتا ہے اسی قدر زیادہ رقمیں اس کے پاس محفوظ کرائی جاتی لگتی ہیں اور رقم جتنی بڑھتی جاتی ہے اس قدر کاروبار میں ترقی ہوتی رہتی ہے۔ یعنی وہ شخص جس نے پہلے معمولی طریقے پر لین دین شروع کیا تھا اب اچھا خاصا ”بینک دار“ بن جاتا ہے۔ وہ اس معاوضے کی مقدار عین کر دیتا ہے جو وہ امانت داروں کو ان کی رقموں کے معاوضے میں دینے کے لیے تیار ہوتا ہے اور اسی کو شرح سود کہا جاتا ہے، مگر کاروبار کی حالات رُپڑی کی کمی زیادتی، امانتوں کی تخفیف یا اضافہ اور دوسرے حالات کی بنا پر اس میں تغیر ہوتے رہتے ہیں مگر حالات میں تبدیلی ہوتے ہی یہ شرح پھر اسی نقطے پر آجاتی ہے جہاں سے تبدیلی شروع ہوئی تھی، آج کل اس معاوضے کا حساب ایک سو روپیہ پر ایک سال کے لیے لگایا جاتا ہے، اگر یہ کہا جائے کہ اس وقت شرح سود

تین فی صدی ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک سو رُپے کا ایک سال میں تین رُپے معاوضہ ملے گا۔

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے پہلے زمانے میں جاہن، ساہوکار، حراف اور سار وغیرہ وہی کیا کرتے تھے جو آج کل بینک کرتے ہیں اور ہر ملک میں ایسے لوگوں کی تعداد کافی ہوتی تھی مگر ظاہر ہے کہ ایک آدمی خواہ وہ کتنا ہی معتبر اور بھروسے کے قابل کیوں نہ ہو عوام کا اس قدر اعتماد حاصل نہیں کر سکتا جو ایسے ہی چند آدمیوں کی ایک ٹولی حاصل کر سکتی ہے۔ کیونکہ ایک آدمی کے مقابلے میں چند آدمیوں کی جماعت میں بددیانتی اور بددستی کے موقع کم ہو جاتے ہیں اور عوام کا اعتماد بڑھ جاتا ہے اور اس کا روبرو کی یہ خصوصیت ہے کہ اعتماد جتنا بڑھتا ہے اسی قدر کاروبار میں وسعت ہوتی جاتی ہے، چنانچہ بجائے اس کے کہ صرف ایک آدمی تنہا اس کام کو انجام دے، چند معتبر اور کام کرنے والے آدمیوں نے آپس میں مل جل کر اس کام کو شروع کیا، یہ گویا مشترکہ کاروبار کی پہلی صورت تھی۔

اب فرض کیجئے کہ کچھ لوگ جن کو اس کام کا کافی تجربہ ہے یہ کاروبار کرنا چاہتے ہیں مگر ان کے پاس سرمایہ نہیں، دوسری طرف کچھ لوگ ہے ہیں جن کے پاس سرمایہ ہے مگر وقت نہیں یا وہ کاروبار کی عملی دشواریوں سے واقف نہیں یا ان کو وہ آسانیاں حاصل نہیں جو ایک کاروبار کو چلانے کے لیے ضروری ہوتی ہیں، لہذا دونوں طبقے اپنی اپنی جگہ بربے کار ہیں، لیکن اگر کوئی ایسا طریقہ نکل آئے جس سے یہ دونوں مل جائیں تو سرمایے کا سوال بھی حل ہو جاتا ہے اور کاروبار کی دشواریاں

بھی رفع ہو سکتی ہیں اس مشکل کو دور کرنے کے لیے یہ طریقہ نکالا گیا کہ چند آدمی مل کر ایک جماعت بنائیں اور ایک بینک کا خاکہ تیار کریں جس میں سرمایے کی تعداد، کاروبار کی تشریح، آمدنی کی تفصیل اور نفعے کی صورتیں بتائی جائیں اور اس کو عوام کے سامنے پیش کیا جائے اس تجویز میں ایسی آسانیاں رکھی جاتی ہیں کہ لوگ چھوٹی چھوٹی رقمیں بھی کاروبار میں لگا سکتے ہیں یعنی اصل سرمائے کو جو بڑی تعداد میں ہوتا ہے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے اور ان ٹکڑوں کو ”حصے“ کہا جاتا ہے، ایک حصہ ہزار، پانسو، سو، پچاس، دس یا پانچ روپے کا ہوتا ہے، اس طرح سرمائے کی بڑی مقدار آسانی سے فراہم ہوتی ہے جو لوگ یہ سرمایہ قرض دیتے ہیں یعنی حصے خریدتے ہیں وہ حصے دار کہلاتے ہیں۔ یہ حصے دار خود اپنے آدمیوں میں سے چند تجربہ کار اور واقف کار لوگوں کی ایک جماعت منتخب کر لیتے ہیں، جس کو ”ناظموں کی مجلس“ کہا جاتا ہے، کاروبار کا سارا انتظام اور پالیسی اسی کے ہاتھ میں ہوتی ہے، حکومت کے ہاں اس قسم کے کاروبار کی رجسٹری کرانا پڑتی ہے اور حکومت کی جانب سے سرکاری تنقیح کرنے والے اس کے حسابات کی جانچ پڑتال کرتے ہیں اس کے سالانہ یا سہ ماہی جملے ہوتے ہیں جن میں کاروبار کی پوری پوری تفصیل پیش ہوتی ہے، آمدنی اور خرچ کا حساب لگایا جاتا ہے اور جو رقم بچتی ہے اس کا کچھ حصہ مصیبت یا آفت کے وقت کے لیے محفوظ رکھ کر باقی حصے داروں میں تقسیم کر دی جاتی ہے اور یہ منافع کہلاتا ہے۔ اصطلاح میں ایسے بینکوں کو مشترک سرمائے کے بینک کہا جاتا ہے، اور آج کل ہر جگہ ان ہی بینکوں

کا زیادہ رواج ہے۔

قدیم زمانے میں جو لوگ بینکوں کی خدمت انجام دیتے تھے ان پر کوئی قانونی پابندی عائد نہ تھی اس کی وجہ سے وہ من مانے طور پر بعض وقت ایسی بے عنوانیاں کر بیٹھتے تھے جن سے عوام کو سخت نقصان پہنچتا تھا چنانچہ ان خرابیوں کو روکنے کے لیے حکومتوں کی جانب سے ان پر پابندیاں لگانا شروع ہوئیں مثلاً ۱۲۷۷ء سے ۱۳۳۷ء کے درمیان شہر وینس کے صرافوں کو قانون کے تحت لایا گیا، اور اسی زمانے میں یہ لوگ بینکروں میں تبدیل ہونا شروع ہوئے، یہی صورت کچھ عرصے بعد ایٹرم میں پیش آئی، ان ہی حالات کے باعث لندن کے سٹار بینکار بنے۔ ہندوستان کے سامہوکار بڑے عرصے تک ان پابندیوں سے آزاد رہے چنانچہ ریزرو بینک کے قائم ہونے تک ان پر کوئی بندش نہ تھی، اب البتہ ان بڑے بڑے سامہوکاروں پر بینکاری کا کام کرتے ہیں بعض پابندیاں لگا دی گئی ہیں، مگر چھوٹے سامہوکار اب بھی ان سے آزاد ہیں، البتہ یہ لوگ بعض قوانین کے ضابطوں میں آجاتے ہیں۔ مثلاً ایک مقررہ شرح سے زیادہ سود نہ لینا، کاشتکاروں کی زمین پر قبضہ نہ کرنا، ان کے زرعی آلوں اور مویشیوں کو قرق نہ کرنا، صبح اور صاف زبان میں حساب رکھنا وغیرہ۔

یوں تو بہت قدیم زمانے میں ہر ملک میں بینکاری کا کاروبار ہوتا رہا ہے، مگر موجودہ اصولوں پر پہلے پہل بارہویں صدی عیسوی میں اٹالوی ریاستوں میں چند بینک قائم ہوئے جنیوا کا مشہور

بینک ” بینک آف سینٹ جارج “ Bank of St. George

سنہ ۱۸۵۴ء میں قائم ہوا، شہر وینس کا سب سے پہلا اور مشہور بینک
 ” دی بینکو ڈی ریل ٹو “ The Banco di Rail to

۱۸۵۴ء کے درمیان قائم ہوا۔ ۱۸۱۹ء میں وینس میں ایک دوسرا
 بینک قائم ہوا جو کئی صدی تک قائم رہا اور یورپ میں ” بینک آف
 وینس “ کے نام سے مشہور تھا۔ اسی زمانے میں مغربی یورپ کے اکثر شہروں
 مثلاً ایٹریڈم، رائڈم اور میہرگ میں اکثر بینک قائم ہوئے۔ ۱۷۵۶ء
 میں ” بینک آف سویڈن “ قائم ہوا جس کا بانی ایک شخص مسمیٰ بام ایک
 تھا، اسی بینک نے سب سے پہلے بینک

Palms truck

نوٹ جاری کیے، بعد میں یہ بینک سویڈن کا سرکاری بینک بن گیا۔
 اور اب تک اس کی یہی حیثیت برقرار ہے۔ انگلستان میں بینکاری کی
 ابتدا سترھویں صدی سے ہوئی۔ سنہ ۱۷۰۷ء تک لندن کے تاجر اپنے
 ذخیرے ” ٹاور آف لندن “ میں حکومت کی حفاظت میں رکھا کرتے تھے
 لیکن اس سال چارلس اول نے ایک لاکھ تیس ہزار پونڈ کی رقم پر غاصبانہ
 قبضہ کر لیا۔ اس وجہ سے حکومت کا اعتبار اٹھ گیا اور لوگ اپنے
 سرمائے کو سٹاروں کے پاس رکھوانے لگے۔ یہ سٹار ہیرے جو اہرت
 کی تجارت کے ساتھ ساتھ رُپ کا لین دین بھی کیا کرتے تھے، یہ محفوظ سرمائے پر سود
 کرتے تھے، اپنے نوٹ جاری کرتے تھے جو دراصل نامتوں کی رسیدیں ہوتی تھیں مگر
 اعتبار کی وجہ سے دست بدست گھومتی تھیں۔ البتہ ان کے متعلق یہ شکایت عام تھی
 کہ یہ اپنے دیئے ہوئے قرضوں کا سود بہت زیادہ وصول کرتے ہیں اور امانت داروں
 کو اس کے مقابلے میں بہت کم معاوضہ دیتے ہیں۔

۱۹۹۲ء میں ولیم سوم کی حکومت کو رقم کی سخت ضرورت پیش آئی لیکن قدیم تنج تجربوں کی بنا پر کوئی اس کو قرض دینے کے لیے تیار نہ تھا۔ اس نازک موقع پر اسکاٹ لینڈ کے ایک باشندے ولیم پٹرسن **William Patterson** نامی شخص نے ایک بینک کی اسکیم

بنائی اور حکومت کو بارہ لاکھ پونڈ اس شرط پر دینے کی رضامندی ظاہر کی کہ اس کو شاہی فرمان کے ذریعے ایک بینک قائم کرنے کی اجازت دی جائے، اور قرضے کی حد تک بینک کو نوٹ جاری کرنے کا اختیار دیا جائے، چونکہ حکومت کو رقم کی سخت ضرورت تھی اس لیے ان شرطوں کو منظور کیا گیا اور ۱۹۹۲ء میں انگلستان بینک قائم ہو گیا۔ اس میں اس کے پڑانے قانون میں کچھ ترمیم کی گئی اور آج کل یہ بینک اسی قانون کے تحت کام کرتا ہے۔

انگلستان بینک دنیا کا سب سے مشہور اور مستند بینک ہے۔ اگرچہ دستوری طور پر یہ ایک خانگی بینک ہے مگر حکومت کے سارے کام یہی انجام دیتا ہے اور اس وجہ سے یہ سرکاری بینک کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کو سارے ملک میں نوٹ جاری کرنے کا اجازت حاصل ہے، اس نے بڑے بڑے نازک موقعوں پر مثلاً نپولیائی جنگوں، گزشتہ جنگ عظیم اور موجودہ جنگ میں حکومت کی بڑی مدد کی ہے، اس کے ناظم اعلیٰ کو وزیر اعظم کے برابر بلکہ اس سے بھی زیادہ حقیقی اہمیت حاصل ہے کیونکہ سارا مالیہ اسی کے ہاتھ میں ہے، چونکہ اس بینک نے بڑی بڑی مصیبتوں اور تباہیوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھا ہے اس لیے ساری دنیا میں اس کی ساکھ قائم ہے۔ دنیا کے اکثر رئیسوں، بالخصوص یورپ کے تمام ملکوں کے بادشاہوں

جمہوری حکومتوں کے صدروں ، ہندوستانی ریاستوں کے فرمانرواؤں اور دنیا کے بڑے بڑے مالدار اور کاروباری آدمیوں کے حسابات یہاں رہتے ہیں۔ گوبینک اپنی امانتوں پر کوئی سود نہیں دیتا مگر اس کے باوجود بھی یہاں کافی امانتیں محفوظ رہتی ہیں کیونکہ لوگ جانتے ہیں کہ بڑی سے بڑی مصیبت کے وقت بھی ان کا پیسہ یہاں محفوظ رہے گا لیکن اس موجودہ لڑائی کی وجہ سے آج کل یہ بینک ملک سے باہر نہیں جانے دے رہا ہے اور خود اس نے معیارِ طلا کو بھی ترک کر دیا ہے۔

دنیا کے دوسرے بڑے بینکوں میں "بینک آف فرانس" جرمنی کا "رائیجے بینک" امریکہ کی متحدہ ریاستوں کا "ینڈرل بینک" زیادہ مشہور ہیں ، انگلستان میں انگلستان بینک کے علاوہ دوسرے پانچ بڑے بینک بھی ہیں جن کی شاخیں جزائرِ برطانیہ کے علاوہ دوسرے ملکوں میں بھی پھیلی ہوئی ہیں۔ جرمنی میں بھی بڑے بینکوں کی تعداد کافی ہے۔ ہندوستان کا سب سے اہم بینک ریزرو بینک آف انڈیا ہے اور اس کے بعد ایمپیریل بینک آف انڈیا کا نمبر ہے۔

پرانے زمانے میں حکومتیں اپنی رقموں کو خزانوں میں محفوظ رکھا کرتی تھیں مگر اس زمانے میں حکومتوں کی ذمہ داریاں اور فریضے اس قدر پیچیدہ نہ تھے جتنے کہ آج کل ہو گئے ہیں۔ پھر خزانوں کی حفاظت اور انتظام پر بڑے مصارف ہوتے تھے ، چنانچہ ان دشواریوں سے بچنے کے لیے اور آسانی کی خاطر اب مہذب حکومتوں نے اپنے خزانے بینکوں میں تبدیل کر دیے ہیں۔ یعنی بینک ان کی ساری رقمیں وصول

کرتے ہیں، وہی ملازموں کی تنخواہیں اور دوسری سرکاری ادائیاں کرتے ہیں، وہی ان کے قرضے کا انتظام کرتے ہیں، اور یہی حکومت کی جانب سے نوٹ جاری کرتے ہیں، مگر حکومت یہ کام صرف کسی ایک بینک سے لیتی رہی اور گو وہ بینک خانگی افراد کا ہو مگر اس کو سرکاری بینک کہا جاتا ہے، اور سرکاری خدمتیں انجام دینے کی وجہ سے اس پر چند پابندیاں لگادی جاتی ہیں، مگر چونکہ ایسے بینکوں کو سرکاری بینک ہونے کی وجہ سے غیر معمولی سہولتیں حاصل ہوجاتی ہیں اور بعض چیزوں کے اجارے مل جاتے ہیں اس لیے وہ ان پابندیوں کو خوشی خوشی برداشت کر لیتے ہیں، آج کل تقریباً ہر حکومت کا ایک اپنا اسی طرح کا بینک ہوتا ہے اور اس حکومت کے سارے کام وہی انجام دیتا ہے۔

دوسرا باب

بینکوں کے کام

بینک دراصل ایک قسم کی کڑی ہیں جو دو مختلف طبقوں کو ملاتے ہیں، جس طرح ایک تاجر، کارخانے دار اور گاہکوں کے درمیان واسطے کا کام دیتا ہے۔ اسی طرح بینک ان لوگوں سے سرمایہ حاصل کرتا ہے جو اس کو خود کاروبار میں نہیں لگا سکتے، اور ان کے حوالے کرتا ہے جن کو اس کی ضرورت ہوتی ہے، ایک تاجر کا کام کیا ہے؟ یہی کہ ایک طرف مختلف کارخانوں پر نگاہ رکھے کہ وہ کون کون سا مال تیار کر رہے ہیں، دوسری طرف اس کے پیش نظر ایسے لوگ ہوں جو اس تیار شدہ مال کے خریدار بننے کے لیے تیار ہوں، گویا تاجر باہری ایک بڑی خدمت انجام دے رہا ہے، اگر یہ نہ ہو تو مال تیار کرنے والوں کو خریداروں کی تلاش میں اور خریداروں کو مال بنانے والوں کی تلاش میں سرگردان و پریشان پھرنا پڑے۔ اس تلاش میں نہ معلوم دونوں کا کتنا وقت ضائع ہو۔ بڑی کوشش کے بعد اگر کوئی کارخانہ مل جائے تب بھی اس کا امکان ہے کہ وہاں حسبِ نشا مال نہ ملے مگر تاجر کی صورت ایسی نہیں ہے، اس کے پاس مختلف کارخانوں کا طرح طرح کا مال ہوتا ہے، اب گاہک کو جس قسم کی چیز کی ضرورت ہوتی ہے وہ اس کو پسند کر کے خرید لیتا ہے، گویا تاجر ایک ایسا نقطہ ہے جہاں

کارخانے دار اور حکامک مل جاتے ہیں، بالکل یہی کیفیت بینکوں کی ہے، ہر مقام پر کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو آئندہ احتیاجات کے خیال سے اپنی موجودہ آمدنی کا کچھ حصہ پس انداز کرتے ہیں اور چونکہ وہ خود کوئی کاروبار نہیں کر سکتے اس لیے لازمی ہے کہ وہ آئندہ احتیاجات کے پیش آنے تک اس رقم کو کہیں محفوظ کر دینے کا انتظام کریں۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ ہر مقام پر ایسے بھی کافی لوگ ہوتے ہیں جنہیں اپنی موجودہ احتیاجات چلانے یا طح طرح کے کاروبار کرنے کے لیے کثیر رقموں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہل میں بینک کا ضروری اور اہم کام یہی ہے کہ ان دونوں طبقوں کے درمیان ایک القالی مقام بن جائے یعنی جن کے پاس موجودہ ضرورت سے زائد رقم ہو ان سے رقم حاصل کرنا، اور جن کو فی الوقت اس کی ضرورت ہے، ان کی ضرورت پوری کرنا اگر بینک موجود نہ ہوں تو جس طرح تاجر کے نہ ہونے سے گاہکوں اور مال تیار کرنے والوں کو دقتیں پیش آتیں اس سے بہت زیادہ مشکلیں کاروباری اور ضرورت مند لوگوں اور پس انداز کرنے والوں کو ہوا کرتیں، پس انداز کرنے والوں کو نہ صرف اپنی رقم کا کچھ معاوضہ نہ ملتا، بلکہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری اور خرچ بھی خود ان ہی کو برداشت کرنا پڑتا۔ دوسری طرف کاروباری اور ضرورت مند اشخاص کو ایسے لوگوں کی تلاش میں سرگردان رہنا پڑتا جو ان کو رقم قرض دے سکیں، ایسے دو حاجت مندوں کے مل جانے کے بعد بھی اس کا امکان تھا کہ ضمانت معاوضے اور دیگر امور پر باہم کوئی تصفیہ نہ ہو سکتا، مگر بینک کے وجود سے ان تمام مشکلوں کا خاتمہ ہو گیا، پس انداز کرنے والے جانتے ہیں کہ

ایک ایسا ادارہ موجود ہو جو ان کی ہر چھوٹی سے چھوٹی رقم لینے کے لیے تیار ہو، اور اس کو محفوظ رکھنے اور اس کا معاوضہ دینے کی ذمہ داری لیتا ہو، کاروبار کرنے والے واقف ہیں کہ جب ان کو رقم کی ضرورت ہوگی تو ایک ادارہ ان سے کچھ معاوضہ لے کر ان کو حسب ضرورت رقم مستعار دے سکتا ہے۔

یہاں ایک نئی نکتہ بیان کر دنیا بھی خالی از دل چسپی نہ ہوگا جب قرض لینے اور دینے والے دونوں افراد ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے سامنے ہوتے ہیں تو قرض دینے والا ایک قسم کی برتری اور قیمت محسوس کرنے لگتا ہے اور قرض لینے والے کو خود ہی کمتری کا احساس ہونے لگتا ہے وہ محسوس کرتا ہے کہ قرض دینے والا اس کے ساتھ کوئی احسان کر رہا ہے اور اس کا قرض ہے کہ وہ اس کا شکر گزار ہو کیونکہ وہ ایک نازک موقعے یا اڑے وقت میں اس کی مدد کر رہا ہے، حالانکہ جب قرض لی ہوئی رقم کا ایک معاوضہ دیا جائے تو یہ ایک قسم کا کاروبار ہو گیا، اور کاروبار کے لیے فریقین کا فائدہ ضروری ہے، نہ تو یہاں ایک کو دوسرے پر برتری حاصل ہے اور نہ ایک دوسرے پر احسان کرتا ہے، اگر قرض دینے والا قرض لینے والے پر یہ احسان کر رہا ہے کہ وہ اس کو کچھ رقم قرض دے رہا ہے تو قرض لینے والا قرض دینے والے پر یہ احسان کر رہا ہے کہ وہ اس سے رقم لے رہا ہے اور اس کا کچھ معاوضہ دے رہا ہے۔ اگر قرض لینے والا یہ رقم نہ لے تو قرض دینے والے کے پاس یہ رقم بے کار پڑی رہے، بہر حال کاروبار میں احسان، شکرگزاری اور نیاز مندی کے جذبات پیدا ہونے کی

گنجائش نہیں، مگر اس کو کیا کیا جائے کہ نفیاتی طور پر دونوں طبقے ان احساسات سے متاثر ہوتے ہیں، اگر بینک نہ ہوتے تو شاید بعض خوددار اور غیور طبعتیں اتنی کثیر رقمیں قرض نہ لے سکتیں جتنی کہ اب وہ بینکوں سے لے لیتی ہیں۔ اور یہ چیز کاروبار کی وسعت اور ترقی کے منافی ہے، مگر بینکوں میں یہ بات نہیں، بینک کسی فرد کا نام نہیں ہے اور نہ وہاں بینک کے حصے دار یعنی قرض دینے والے، قرض لینے والے کے سامنے ہوتے ہیں اس لیے بینک سے کاروبار کرنے میں کمتری کا کوئی احساس پیدا نہیں ہوتا۔ اس زمانے میں بینکوں کی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے، اور وہ مختلف قسم کے کاروبار کرتے ہیں ان کا سب سے پہلا کام اپنے گاہکوں کی لین داریوں اور دین داریوں کا حساب رکھنا ہے، یہ فرض اس طرح انجام دیا جاتا ہے کہ بینک میں ہر گاہک کے نام ایک کھاتا کھول دیا جاتا ہے، اب اس شخص کو جتنی رقمیں دوسروں سے وصول ہوتی ہیں وہ اس کے حساب میں درج کر لی جاتی ہیں، اور اس کو جتنی رقمیں دوسروں کو ادا کرنا ہوتی ہیں وہ اس کے حساب سے ادا کر دی جاتی ہیں، گویا اس طرح بغیر زر کے حساب کے ذریعے بینک کے توسط سے کاروبار ہوتا رہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ بڑے بڑے تاجروں اور کاروباری آدمیوں کے لیے یہ صورت کس قدر سہولت کا باعث ہوگی، نقد رُپی کی بڑی مقدار کو برتنے لگنے پر رکھنے، ایک جگہ سے دوسری جگہ لانے کے جانے اور حفاظت کرنے میں جو مشکلیں اور تکلیفیں پیش آتی ہیں وہ اس طرح ختم ہو جاتی ہیں۔ اب اگر یہ بینک مختلف شہروں میں اپنی شاخیں کھول دے تو سارے ملک میں اسی طرح اس کے توسط سے بغیر زر کے کاروبار ہو سکتا ہے، اور اگر

یہ بینک دوسرے ملکوں میں بھی اپنی شاخیں قائم کر دے یا بیرونی بینکوں سے اپنا رشتہ جوڑے تو دوسرے ملکوں کے درمیان بھی بغیر زر کے کاروبار ہو سکتا ہے، چنانچہ آج کل کاروبار کا یہی ایک طریقہ ہر جگہ رائج ہے۔

دراصل ہر بینک سرمائے کا لین دین کرتا ہے، بینک کا یہ کام دو حصوں پر تقسیم ہو گیا ہے، یعنی سوسائٹی کے ایک طبقے سے سرمایہ وصول کر کے دوسرے طبقے کے حوالے کرنا، اب یہ کام وہ کس طرح انجام دیتا ہے اس کی تفصیل الگ الگ بیان کی جائے گی۔

پہلے حصول سرمایہ کے طریقے کو لے لیجیے، بینک جن سرمائے سے کام کرتا ہے اس میں کچھ حصہ تو اپنا ذاتی ہوتا ہے، یہ وہ سرمایہ ہوتا ہے جو ہر بینک اپنے حصے داروں سے حصوں کی شکل میں جمع کرتا ہے مگر اس کی تعداد بہت تھوڑی ہوتی ہے اور بڑے پیمانے پر کاروبار چلانے کے لیے یہ تعداد کافی نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ وہ بقبہ مقدار عوام سے حاصل کرتا ہے، عموماً ہر سوسائٹی میں ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کے پاس کچھ سرمایہ ضرورت سے زیادہ ہوتا ہے اور وہ یہ سرمایہ مختلف ناموں سے بینک کے حوالے کر دیتے ہیں، مثلاً وہ لوگ جو خود کاروبار کرنے کی قابلیت نہیں رکھتے، یا ایسے آدمی جن کے کام کی نوعیت کا ایسی ہے کہ اس میں مزید سرمایہ لگانے کی گنجائش نہیں ہے، جیسے پرنٹرس ڈاکٹر، وکیل یا سرکاری ملازم وغیرہ، یا وہ لوگ جن کے پاس سرمایہ کافی تعداد میں نہیں ہوتا۔ آج کل بڑے اچھے اور نفع بخش کاروبار کے لیے کثیر سرمائے کی ضرورت ہوتی ہے، اب اس وقت تک کہ یہ رقم

ایک خاص مقدار تک نہ پہنچے بیکار پڑی رہتی ہے بلکہ اس کا بھی امکان تھا ہے کہ اس کا کچھ حصہ اپنے پاس رہنے کی وجہ سے اپنے مصرف میں نہا جائے چنانچہ دور اندیش لوگ اپنی پونجی بینک میں رکھوادیتے ہیں جہاں ان کو سود ملتا رہتا ہے اور وہ خود ہر قسم کی فکروں سے بھی بچ جاتے ہیں۔ ہر معاشرے میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے پاس سرمایہ تو ہوتا ہے مگر وہ کاروبار کے خطروں سے ڈرتے ہیں، لیکن ہر کاروبار میں خطرے ہیں اور جب تک ان کا مقابلہ نہ کیا جائے نفع حاصل نہیں ہو سکتا، بلکہ کام خرابا زیادہ خطرناک ہوگا اسی قدر زیادہ منافع ملنے کا امکان ہے، مگر یہ لوگ خطروں سے بچنے کے لیے کم منافع کو ترجیح دیتے ہیں اور اپنی رقمیں بینک میں رکھوا کر ایک مقررہ منافع حاصل کرتے رہتے ہیں۔

ایسے تمام لوگوں کے لیے بینک بڑی سہولت کا باعث ہوتے ہیں جہاں وہ اپنا رُپیہ محفوظ کرا سکتے ہیں اور اس کا معاوضہ پاسکتے ہیں پھر بینکوں سے مقررہ وقت پر یا بعض صورتوں میں جب چاہیں رُپیہ واپس لیا جاسکتا ہے، اس طرح بینک کے پاس سینکڑوں چھوٹی چھوٹی رقمیں جمع ہو جاتی ہیں اور وہ کثیر سرمائے کا مالک بن جاتا ہے۔ عوام سے سرمایہ فراہم کرنے کے جو طریقے ہیں ان کے مختلف نام ہیں مثلاً سیونگ بینک اکاؤنٹس، میعادى امانت، اطلاعی امانت، اور چالو کھانا وغیرہ۔ بینک بینک اکاؤنٹس سے یہ مطلب ہے کہ بینک میں اپنے نام کا ایک کھانا کھول دیا جاتا ہے، اس میں ہر وقت رقم جمع کی جاسکتی ہے ہفتے میں دو مرتبہ رقم نکالنے کی اجازت ہوتی ہے اس پر ایک مقررہ شرح سے سود ملتا رہتا ہے، میعادى امانت وہ رقم ہے جو ایک خاص مدت کے بعد ہی

واپس لی جاسکتی ہے، عموماً یہ مدت ایک سال، دو سال یا اس سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ مدت جتنی زیادہ ہوتی ہے اتنی ہی زیادہ شرح سے سود ملتا ہے۔ اطلاعاتی امانت سے مراد ایسی رقم ہے جو خاص طور پر نوٹس دینے کے بعد واپس لی جاسکتی ہے البتہ چالو کھاتے میں نہ کوئی میعاد ہوتی ہے اور نہ اطلاع کی ضرورت، جب چاہا چیک لکھ دیا اور رقم خود واپس لے لی یا کسی دوسرے کو دلوادی۔ چالو کھاتے پر عموماً اچھے اور مستند بینک سود ادا نہیں کرتے اس کی وجہ یہ ہے کہ بینک اُن ہی رقموں پر سود دیتا ہے جن سے وہ اپنے کاروبار میں زیادہ مدد لے سکتا ہے، وہ رقمیں جو بینک کو ہر وقت اپنے پاس نقد رکھنا پڑتی ہے کہ نہ معلوم کس وقت کھاتے داروں کو ان کی ضرورت ہو جائے، بینکوں کے لیے کاروباری نقطہ نظر سے زیادہ مفید نہیں اس لیے ان پر سود بہت ہی کم یا عموماً بالکل ادا نہیں کیا جاتا، چھوٹے چھوٹے بینک ابتدا میں اپنا کاروبار بڑھانے کے لیے ان پر کچھ سود دیتے ہیں، مرکزی بینک امانتوں پر سود بالکل نہیں دیتے اور نہ وہاں لوگ اپنی رقمیں سود حاصل کرنے کی خاطر رکھتے ہیں بلکہ وہاں تو رقمیں خطروں سے محفوظ رکھنے کے لیے امانت رکھوائی جاتی ہیں کیونکہ ان بینکوں کو عام بینکوں کے مقابلے میں بہت کم خطرہ ہوتا ہے۔

شرح سود کے سلسلے میں ایک بات کا خیال رکھنا پڑتا ہے کہ بس انماز کی تعداد اُسی صورت میں بڑھتی ہے جب لوگوں کو ترغیب و تحریص ہوتی رہے اور یہ چیز شرح سود کی زیادتی سے حاصل ہو جاتی ہے جب بینکوں یا حکومتوں کو کثیر رقموں کی ضرورت ہوتی ہے تو شرح سود میں اضافہ کر دیا جاتا ہے، اس کے برخلاف جب شرح سود کم ہو جاتی ہے تو

رقم کا کچھ حصہ کاروبار سے نکل جاتا ہے۔ بات یہ ہے کہ رُپیہ پس انداز کرنے والے تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں، ایک وہ جو بڑھاپے کے خیال سے یا اولاد کی تعلیم و تربیت کے لیے یا کاروبار کی توسیع اور ترقی کے لیے کچھ جمع کرنا چاہتے ہیں، ان لوگوں کو شرح سود سے کوئی سروکار نہیں ہوتا، کیونکہ یہ تو ہر صورت میں پس انداز کرتے ہیں۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جن کے پاس موجودہ ضرورتوں سے زائد رُپیہ ہے یا وہ اس کو اپنی موجودہ محدود ضرورتوں پر صرف کرنے کی بجائے پس انداز کرنا چاہتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ لوگ بھی ایسے ہی ہیں کہ اگر ان کو اپنی رقموں کا معاوضہ مروجہ شرح سے کم ملے تو بھی یہ پس انداز کرنے پر مجبور ہیں۔ تیسرے وہ ہیں جو اس وقت تک پس انداز ہی نہیں کرتے جب تک کہ ان کو ایک خاص معاوضہ ملنے کی امید نہ ہو، اس طبقے کی اہمیت اس لیے زیادہ ہے کہ اگر کثیر رقموں کی ضرورت ہو تو معاوضہ ان کی منتا کے مطابق ہونا چاہیے ورنہ یہ لوگ پس انداز نہیں کریں گے۔ جس طرح سرمایہ حاصل کرنے کے مختلف طریقے ہیں اسی طرح سرمایہ دینے کی بھی مختلف صورتیں ہیں۔ پہلی صورت پرائمری نوٹوں کی ہے، یہ ضمانتی اور بلا ضمانتی دونوں طرح کے ہوتے ہیں، ضمانت میں مکان، زیور، جائیداد، حکومت کے تمک، کاروبار اور کارخانوں کے حصے، قابل بیع و شری دستاویزیں وغیرہ رکھی جاتی ہیں، مستند بینک مکان اور جائیداد کی ضمانت قبول نہیں کرتے کیونکہ ان سے رُپیہ فوراً حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ اچھی ساکھ والے کاروباری آدمیوں کو بلا ضمانت بھی قرض مل جاتا ہے، دوسرا طریقہ ”نقد اعتبار“

کا ہو، اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کو کاروبار کے لیے رقم کی ضرورت ہوتی رہتی ہے، اب اگر وہ ہر بار ضمانت دے اور قرض لیا کرے تو یہ بڑی تکلیف دہ چیز ہو جائے گی، آسانی کی خاطر وہ اپنے کاروبار کا اندازہ کر کے ایک دو یا تین مہینے کے لیے اپنی رقم کا تخمینہ لگا کر اس رقم کی ضمانت بینک میں داخل کر دیتا ہے، اس طرح کاروبار ایک معینہ حد کے اندر ہوتا رہتا ہے۔ تیسرا طریقہ ”اور ڈرافٹ“ کا ہے، قاعدہ یہ ہے کہ ہر شخص جس کا بینک میں کھاتا کھلا ہو اپنے بینک کے نام اپنی جمع کی ہوئی رقم کی حد تک ہی چیک لکھ سکتا ہے، لیکن جب اس کی رقم ختم ہو جائے اور ابھی اس کو کچھ رقمیں ادا کرنی باقی ہوں تو وہ کیا کرے؟ ایسی صورت میں بینک اس کی ساکھ اور اعتبار کو دیکھتے ہوئے کچھ زائد رقم حاصل کرنے کی اجازت دے دیتا ہے، یعنی بینک نے اس کو قرض دے کر اس کا کام چلا دیا، مگر یہ صورت صرف اچھی ساکھ والے کاروباری آدمیوں کے ساتھ ہی پیش آتی ہے۔

بینک کا چوتھا کام ہنڈیوں پر بننا کاٹنا ہے، آج کل تجارت میں ہنڈیاں بہت زیادہ استعمال کی جاتی ہیں مگر یہ ایک مقررہ مدت کے بعد قابل ادا ہوتی ہیں، لیکن کوئی کاروباری آدمی اتنا انتظار نہیں کر سکتا، اس لیے یہ کام بینک ہی کرتا ہے کہ وہ خود ہنڈی کی رقم فی الفور ادا کر دے اور بعد میں ہنڈی لکھنے والے سے وصول کرتا رہے، چنانچہ بینک ہنڈی کی مدت کے لحاظ سے سود وضع کر کے رقم ادا کر دیتا ہے اور اسی کو بننا کاٹنے کا کام کہا جاتا ہے۔

بینک ایک طرف تو خود قرض لیتا ہے اور دوسری طرف قرض دیتا

ہی مگر اس کا خیال رکھتا ہے کہ خود کم سود پر قرض لے، یعنی سود کم ادا کرے اور دوسروں سے اپنی قرض دی ہوئی رقموں کا سود زیادہ طلب کرے اور ان شرحوں کا فرق بینک کا منافع ہے۔ گویا بینک ایک دکان ہے جہاں سرمائے کا کاروبار ہوتا ہے جس طرح دکان دار سستا مال خرید کر اس کو ہنگامہ بیچتے ہیں اسی طرح بینک ارزاں شرح پر سرمایہ فراہم کر کے گراں شرح پر لوگوں کو دیتا ہے، اس طرح جو بچت ہوتی ہے اس میں سے بینک کے سارے اخراجات مثلاً منیجر اور عملے کی تنخواہ عمارت کا کرایہ، چوکیداروں کی تنخواہ وغیرہ ادا کی جاتی ہے، اس کے بعد جو رقم بچ رہتی ہے اس کا کچھ حصہ سرمایہ محفوظ میں رکھ کر باقی حصہ، حصے داروں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ بینک جس شرح پر قرض لیتا ہے اور جس شرح پر قرض دیتا ہے اس میں بڑا اختلاف پایا ہے، بڑے اور اچھے بینکوں میں یہ فرق بہت کم ہوتا ہے مگر چونکہ ان کا کاروبار بڑھا ہوا ہوتا ہے اس لیے مجموعی حیثیت سے بہت زیادہ نفع ہو جاتا ہے اور ان کے سارے اخراجات پورے ہو جاتے ہیں۔

بینکوں کا ایک اور کام نوٹ جاری کرنا ہے، مگر یہ خدمت ہر بینک انجام نہیں دے سکتا بلکہ یہاں سرکاری اجازت ضروری ہے جس کو سرکار اجازت دیتی ہے وہی نوٹ جاری کرتا ہے، آج کل ہر جگہ مرکزی بینک کو ہی نوٹ جاری کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ اور مرکزی بینک ہر ملک میں ایک ہی ہوتا ہے۔

بینک مختلف ملکوں کے سکول کا تبادلہ بھی کرتا ہے، اور رقمیں ادا

سے اُدھر منتقل کرتا ہے، آج کل تجارت کے علاوہ سیاح، مسافر اور طالب علم ایک جگہ سے دوسری جگہ آتے جاتے رہتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کے پاس اپنے ملک کا رُپیہ ہوتا ہے مگر دوسرے ملکوں میں یہ رُپیہ نہیں چل سکتا اور وہاں کے لیے اس کو دوسرے ملک کے زر میں بدلوانا پڑتا ہے اور یہ کام بینک ہی کرتا ہے اور وہی شرح مبادلہ اور اس کے آثار چڑھاؤ سے خوب واقف ہوتا ہے۔



تیسرا باب

اعتباری دستاویزیں

عام لوگ تو صرف چاندی سونے کے سکوں کو نقد کہتے ہیں مگر کچھ سمجھ دار آدمی نوٹوں کو بھی زر نقد میں شامل کرتے ہیں لیکن یہ شاید بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ موجودہ کاروبار صرف انہی کے بل بوتے پر نہیں چل رہا ہے بلکہ اعتبار کا بھی ایک بڑا شعبہ ہے جو کاروباری دنیا میں بڑی اہمیت رکھتا ہے، جب یہ دیکھ لیا گیا کہ بڑھتے ہوئے کاروبار کے بے دھاتوں کے سکتے کافی نہیں ہوتے تو کاغذ کا زر جاری کیا گیا، مگر جب ان سے بھی کام نہ چلا تو خود بخود ایسی چیزیں پیدا ہوئیں جو زر تو نہیں ہیں مگر زر کا کام انجام دیتی ہیں، یہ چیزیں اعتبار پر چلتی ہیں اور آج کل کاروبار میں اعتبار کی بڑی اہمیت ہے۔

اعتبار کا مفہوم یہ ہے کہ ایک چیز نقد نہ خریدی جائے بلکہ اس کی قیمت بعد میں ادا کی جائے۔ قیمت خواہ فوراً ادا کی جائے یا کچھ دنوں بعد، زر کی ضرورت ہر صورت میں باقی رہتی ہے۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ خریدار کو جو کچھ دنوں کی مہلت ملتی ہے اس میں وہ خود کوئی چیز تیار کرے اور قرض دینے والے شخص کے ہاتھ فروخت کر دے اس طرح دونوں کی مالیتیں بے باق ہو جائیں گی اگر یہ چیزیں مساوی قیمت کی ہوں تب تو کوئی بات ہی نہیں، لیکن اگر مساوی نہ ہوں تو دونوں

کو ایک دوسرے کی کمی یا زیادتی کی حد تک نقد رقم کی صورت میں ادا کرنا ہوگی، یہ دراصل چیزوں کا چیزوں سے تبادلہ ہے، جس کو اصطلاح میں "بارٹر" کہا جاتا ہے، بارٹر کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں بیٹھنے زیادہ افراد شریک ہوتے جائیں گے اسی قدر زیادہ سہولت اور آسانی پیدا ہوتی جائے گی۔ چنانچہ آج کل اس بارٹر کے دائرے میں ساری دنیا شامل ہو گئی ہے اور آپس کے لین دین میں بڑی آسانیاں پیدا ہو گئی ہیں، اب محض کاغذ کے پرزوں سے لاکھوں کا کاروبار ہو جاتا ہے، ان کاغذی پرزوں کو اعتباری دستاویز کہا جاتا ہے، ان میں نوٹ چیک اور ہنڈیاں زیادہ اہم ہیں۔

عام طور پر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ صرف کاغذ کے ٹکڑوں سے ملک کی دولت میں کیوں کر اضافہ ہو سکتا ہے۔ بات دراصل یہی ہے کہ سونے اور چاندی کے سکتے بذاتِ خود ہماری کسی ضرورت کو پورا نہیں کرتے بلکہ وہ محض ایک آلہ مبادلہ کا کام انجام دیتے ہیں، اور آلہ مبادلہ کے لیے یہ ہرگز ضروری نہیں کہ اس میں ذاتی قدر بھی ہو ذاتی قدر کی خواہش محض اس وجہ سے ہے کہ لوگوں کو اعتبار اور بھروسہ نہ تھا لیکن اگر کوئی بیج میں بڑ کر یقین دلادے کہ جو چیز بطور زر استعمال ہو رہی ہے اس کی قیمت ایک حالت پر رہے گی اور کوئی اس کے لینے سے انکار نہیں کرے گا تو لوگ ہر چیز کو خواہ وہ قیمتی ہو یا معمولی بطور زر کے استعمال کر سکتے ہیں۔ گویا جب زر کا رواج عام مقبولیت اور چلن پر ٹھہرا تو یہ بات بالکل غیر ضروری ہو جاتی ہے کہ جو شے بطور زر استعمال ہو رہی ہے اس کی نوعیت اور قیمت کیا ہے؟ بلکہ دیکھنے کی

یہ بات ہو کر یہ مقصد کس چیز سے اچھی طرح پورا ہو سکتا ہے، اگر یہ خدمت کوئی معمولی اور کم قیمت چیز انجام دے سکے تو اس کام کے لیے قیمتی دھاتوں کو مخصوص کرنا خلافِ عقل ہے چنانچہ جیسے جیسے لوگوں کی سمجھ میں یہ بات آتی گئی ویسے ہی قیمتی دھاتیں بازار سے ہٹے لگیں اور نوٹ ملک میں رواج پانے لگے۔

نوٹ تین قسم کے ہوتے ہیں ایک ”نیاستی زر کاغذی“ کہلاتے ہیں، یہ جب چلائے جاتے ہیں تو ان کی قیمت کے مساوی دھاتیں خزانے یا بینک میں جمع کرنا پڑتی ہیں۔ یہ گویا ایک قسم کی بیسیویں ہوتی ہیں مگر ان کے چلن سے کوئی خاص فائدہ نہیں ہوتا، کیونکہ بہر حال نوٹوں کے ہم قدر دھاتوں کو محفوظ رکھنا پڑتا ہے اس طرح یہ دھاتیں بے کار ہو جاتی ہیں۔ دوسری قسم کے نوٹ ”بدل پزیر“ ہوتے ہیں، یعنی کسی ملک کی حکومت یا مستند بینک یہ نوٹ جاری کرتا ہے، اس نوٹ پر ادائیگی کا وعدہ لکھا رہتا ہے کہ مندرجہ رقم نوٹ پیش کرنے والے کو ہر وقت ادا کی جاسکتی ہے، اس قسم کے نوٹوں کے پیچھے کچھ حصہ قیمتی دھاتوں کا رکھا جاتا ہے، عام طور پر جسے نوٹ گردش کرتے رہتے ہیں ان کا ۲۵ حصہ سونے اور چاندی کی شکل میں محفوظ رکھا جاتا ہے اور بقیہ حصہ مسکوں کی صورت میں لگا کر منافع کمایا جاتا ہے، جب بھروسہ ہو جاتا ہے تو ایسے نوٹ بہت آزادی سے گردش کرتے رہتے ہیں اور سارا کاروبار ان سے ہوتا رہتا ہے اور کسی کو اتنی جلدی نہیں ہوتی کہ خزانہ یا بینک میں داخل کر کے ان کی بجائے رُپہ وصول کرے۔ ہندوستان میں موجودہ ایک رُپڑ والے

نوٹوں کے علاوہ جتنے نوٹ جاری ہیں وہ سب اسی قسم کے نوٹ ہیں۔ تعییری قسم کے نوٹ "غیر بدل پذیر" کہلاتے ہیں، دراصل یہ صرف کاغذ کا ٹکڑا ہوتے ہیں جن پر رقم تو درج ہوتی ہے مگر نہ وہ کسی رقم کی رسید ہوتے ہیں اور نہ ان پر ادائیگی کا وعدہ ہوتا ہے، یہ صرف حکومت کی ساکھ پر چلتے ہیں، ایسے نوٹ عموماً اسی وقت جاری کیے جاتے ہیں جب ملک میں زر کی قلت ہو اور دھاتیں نزل رہی ہوں، اکثر نازک موقعوں پر بعض ملکوں میں اس قسم کے نوٹ جاری ہو چکے ہیں، مثلاً گزشتہ جنگِ عظیم کے موقع پر یورپ کے اکثر ملکوں میں بڑی بڑی قیمتوں کے ایسے نوٹ جاری ہوئے تھے مگر ان کے رواج میں بڑے خطرے ہیں، اور ان کو جاری کرنے میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے، کیونکہ یہ جب ملک کی کاروباری ضرورت سے زیادہ جاری ہو جاتے ہیں تو سارے بازار اور کاروبار میں ابتری پیدا ہو جاتی ہے، اس لیے جب حکومتوں کی مالی حالت بہتر ہونے لگتی ہے تو ان نوٹوں کو واپس لے لیا جاتا ہے اور کبھی کبھی صرف مالی حالت کو بہتر بنانے کے لیے ان کو منسوخ بھی کر دیا جاتا ہے۔

چیک ایک قسم کا حکم نامہ ہے جو کسی بینک کے نام اس کا گاہک لکھتا ہے کہ مندرجہ رقم کسی دوسرے شخص کو یا خود اس کو اس کے حساب میں سے ادا کر دی جائے، چیک کے ذریعے سے آج کل جو کاروبار ہوتا ہے وہ قیمتی دھاتوں اور نوٹوں کے ذریعے سے ممکن ہی نہ تھا، ذیل میں شہر لندن کے ایک حساب گھر کے اعداد دیے جاتے ہیں، جن سے چیکوں کی تعداد اور ان کی اہمیت کا کچھ اندازہ ہو سکے گا، واضح رہنا چاہیے کہ یہ اعداد صرف "لندن کلیئرنگ ہاؤس" کے ہیں، انگلستان

میں اس کے علاوہ اور بھی حساب گھر ہیں۔

۱۹۲۹ء میں چکوں کی کل مندرجہ رقم ۴۴ ارب پونڈ
چکوں کی روزانہ اوسط مقدار ۱۳ لاکھ پونڈ
۳۰ جون ۱۹۳۰ء کو جو رقم ان کے ذریعے سے ۲۸ کروڑ پونڈ

ایک دن میں ادا ہوئی

جنگ سے پہلے انگلستان کے کل سونے کی تعداد ۱۲ کروڑ پونڈ
جنگ سے پہلے نوٹوں کی تعداد ۳ کروڑ پونڈ
ان اعداد پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انگلستان میں کل سونے
اور نوٹوں کی مقدار اتنی نہ تھی کہ اس سے صرف ایک خاص دن یعنی
۳۰ جون کا کاروبار بھی ہو سکتا، پھر بھلا اس قلیل تعداد سے ۴۴ ارب پونڈ
یا ۵۸۶ ارب روپے کا کاروبار کیسے ہو سکتا تھا۔

اس وسعت اور اہمیت کے باوجود چک کو زر نہیں کہا جاسکتا،
کیونکہ وہ قانونی زر نہیں ہے، قانونی زر ہر شخص لینے پر مجبور ہے مگر چک
لینے پر قانونی طور پر کسی کو مجبور نہیں کیا جاسکتا، یعنی چک کو حکومت کی
وہ تائید حاصل نہیں جو نوٹوں کو حاصل ہے، مگر اس کی سب سے بڑی خوبی
یہ ہے کہ چک حاصل کرنے والے کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جب چاہے اس
کو متعلقہ بینک میں پیش کر کے اس کے معاوضے میں زر حاصل کر سکتا
ہے، اور محض اسی خوبی کی وجہ سے اس کا اس قدر رواج بڑھا۔

ایک شخص جب دوسرے آدمی کو چک لکھ کر دیتا ہے تو چک وصول
کرنے والا ایسا بہت کم کرتا ہے کہ اس کے معاوضے میں روپے یا نوٹ
حاصل کرنے کی کوشش کرے، بلکہ جن ملکوں میں بینکوں کا زیادہ

رواج ہے وہاں چیک کا ٹیپہ لینے کی بجائے یہ رقم چیک پیش کرنے والے کے حساب میں جمع کر لی جاتی ہے اور چیک لکھنے والے کے حساب سے خارج ہو جاتی ہے، اس طرح بغیر زر کے کاروبار ہو جاتا ہے۔

چیک میں بڑی خوبیاں ہیں، پہلے یہ کہ چیک دوسرے زروں کے مقابلے میں بہت محفوظ ہوتا ہے۔ اس پر ایسی نشانیاں بنا دی جاتی ہیں جس سے دھوکے، فریب اور جوڑی کا امکان کم ہو جاتا ہے، دوسرے اس کو ایک معمولی لفافے میں رکھ کر ادھر سے ادھر بھیجا جاسکتا ہے تیسرے چیک ہر چھوٹی بڑی رقم کا لکھا جاسکتا ہے، چیک رسید کا کام بھی دیتا ہے کیونکہ ہر بینے بینک اپنے گاہک کے تمام ادا شدہ چیک اس کے پاس بھیج دیتا ہے۔ چیک پر حکومت اپنا ٹیکس بھی وصول کرتی ہے اور یہ ٹیکس کی صورت میں وصول کیا جاتا ہے، بینک یا حکومت کے نوٹ بعض وقت غیر بدل پذیر قرار دیے جاتے ہیں جیسا کہ گزشتہ جنگ کے زمانے میں ہوا، مگر چیک کو قانونی نقطہ نظر سے تو نہیں لیکن عام سمجھوتے کی رو سے یہ فوقیت حاصل ہے کہ اس ہر وقت زر نقد میں بدلا جاسکتا ہے اور وہ کبھی غیر بدل پذیر نہیں ہوتا۔ ترقی یافتہ ملکوں میں یہ بھروسہ اس قدر بڑھ گیا ہے کہ لوگ اس کو نہ صرف زر نقد سمجھتے ہیں بلکہ اس پر ترجیح بھی دیتے ہیں۔

منڈی بھی ایک قسم کا چیک ہوتی ہے، مگر منڈی اور چیک میں یہ فرق ہے کہ چیک ہمیشہ بینک کے نام لکھا جاتا ہے، مگر منڈی ہر شخص کے نام لکھی جاسکتی ہے جس نے اپنے لین دار کو منڈی لکھنے کی اجازت دے دی ہو، دوسرے چیک بالعموم ایک ہی شہر میں

چلتا ہے اور ہنڈیاں دو شہروں یا دو تجارتی مرکزوں کے درمیان چلتی ہیں۔ تیسرے چک فوراً قابل ادائیگی ہے مگر ہنڈی ایک معینہ مدت کے بعد ادا ہوتی ہے۔

ہنڈی اور بینک کے نوٹوں میں بھی فرق ہے، مثلاً نوٹوں پر سود ادا نہیں کیا جاتا مگر ہنڈی پر بچتہ ہونے تک برابر سود ادا ہوتا رہتا ہے، دوسرے نوٹ بغیر کسی تحریر کے ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں جاتے ہیں، لیکن ہنڈیاں ہمیشہ تحریر کے ساتھ ادھر سے ادھر منتقل ہوتی ہیں۔ تیسرے نوٹ صرف ثابت یعنی پوری پوری رقموں کے ہوتے ہیں مگر ہنڈی میں آنے اور پائی بھی آسکتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہنڈی کا تاریخ معینہ پر پیش ہو جانا لازمی ہے ورنہ ان افراد کے خلاف جن کے ہاتھوں سے ہنڈی گزری ہے قانونی چارہ جوئی کرنے کا حق زائل ہو جاتا ہے، لیکن نوٹوں کے لیے ایسی کوئی شرط نہیں ہے۔

آج کل بیرونی ملکوں سے جو تجارت ہوتی ہے وہ زیادہ تر ہنڈیوں کے ذریعے سے ہوتی ہے مگر ہنڈیاں ہمیشہ میعاد ہی ہوتی ہیں یعنی ان کی رقم مقررہ مدت کے بعد ہی ادا ہو سکتی ہے۔ اب یہ کام بینک ہی کا ہوتا ہے کہ وہ خود ہنڈی کی رقم فوراً ادا کر دے اور بعد میں ہنڈی لکھنے والے سے وصول کرتا رہے، مثلاً ب نے ج سے کچھ مال خریدا اور بجائے نقد رقم ادا کرنے کے ج کو ایک ہنڈی لکھ دی کہ وہ ۶۰ یا ۹۰ دن (جو مدت بھی طے ہو جائے) کے بعد یہ رقم ادا کر دے گا، مگر ج کو اس رقم کی ابھی ضرورت ہے، اس لیے وہ بینک کے پاس جاتا ہے اور اس سے ہنڈی کی رقم طلب کرتا ہے، اب اگر

بینک کے خیال میں تب کی ساکھ اچھی ہے تو وہ فوراً یہ رقم اس مدت کا سود کاٹ کر سچ کو ادا کر دیتا ہے۔ سچ کو چونکہ رقم کی فوراً ضرورت ہوتی ہے اس لیے وہ سود ادا کرنے پر تیار ہو جاتا ہے (واضح رہنا چاہیے کہ سچ ہنڈی لکھواتے وقت اس مدت کا سود بھی اس میں شامل کر دیتا ہے، اس طرح سچ کو کوئی رقم اپنی جیب سے ادا کرنا نہیں پڑتی) اب بینک مدت گزرنے کے بعد تب سے یہ رقم وصول کر لیتا ہے، اس کا رو بار کو ”ہنڈی پر لٹا کاٹنے کا کام“ کہتے ہیں۔ جب تک ہنڈی ادا نہ ہو اس کی پینگی کا زمانہ ”کہلاتا ہے، اس زمانے میں بینک چاہے تو اس کو کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دے، اور خریدنے والا کسی تیسرے کو دے سکتا ہے۔ پینگی کے زمانے میں وہ مختلف ہاتھوں میں گھوم سکتی ہے لیکن مدت ختم ہونے کے بعد اس کا تب کے پاس پہنچنا لازمی ہے، اور تب کا فرض ہے کہ وہ اس کو اسی وقت ادا کر دے، زیادہ سے زیادہ تین ٹریایٹی دن اس کو مل سکتے ہیں، وقت پر ہنڈی ادا نہ کرنے سے کاروباری آدمی کے دامن پر ایک بدناما داغ لگ جاتا ہے جو عمر بھر نہیں چھوٹ سکتا، اس کی ساری ساکھ ختم ہو جاتی ہے اس لیے ہنڈی کی ادائیگی کا بہت خیال رکھا جاتا ہے۔

ہنڈی کی یہی صورت ایک کارخانے دار اور تھوک فروش کے درمیان ہو سکتی ہے، یعنی ایک کارخانے دار نے ایک تھوک فروش کے ہاتھ کچھ مال فروخت کیا، مگر تھوک فروش اس وقت قیمت دینا نہیں چاہتا بلکہ یہ مال خردہ فروشوں کے ہاتھ بیچ کر ان سے قیمت وصول کر کے کارخانے دار کو ادا کرے گا، اب خردہ فروش اپنے خریداروں

سے قیمت وصول ہونے کے بعد تھوک فروش کو دینا چاہتے ہیں، پھر خریدار بھی مختلف قسم کے ہوتے ہیں، کچھ نقد خریدتے ہیں بعض تھوک دانوں میں اور بعض زیادہ مدت میں قیمت ادا کرتے ہیں، اب اگر یہ تسلسل قائم ہو جائے کہ خریدار خوردہ فروش کو، خوردہ فروش تھوک فروش کو، اور تھوک فروش کارخانے دار کو قیمت ادا کرے گا تو اس میں بڑا دقت گزر جائے گا، اور کسی کارخانے کے لیے اتنے طویل عرصے تک انتظار کرنا بالکل غیر ممکن ہے، اس کو تو رُپڑ کی فووا ضرورت ہے لہذا اس پیچیدہ اور جکڑ دار مشین کے چلانے کے لیے ایک ایسے ادارے کی ضرورت ہے جو کارخانے کو قیمت تو اسی دقت ادا کر دے مگر تھوک فروش سے قیمت اتنے عرصے کے بعد وصول کرے کہ اس کو اپنے گاہکوں سے وصول ہو جائے اور یہ خدمت ہمارے بینک ہی انجام دیتے ہیں

چوتھا باب

ہندستان کے بینکوں کی تاریخ

اس زمانے میں کسی ملک کی معاشی برتری یا کتری کا معیار معلوم کرنے کی ایک کسوٹی بینکوں کی کمی یا زیادتی بھی ہے، وہ ملک معاشی نقطہ نظر سے کبھی خوش حال نہیں کہا جاسکتا جہاں بینک کم ہوں کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہاں اعتبار نہیں یا بینکوں کی ضرورت نہیں اور جہاں اعتبار نہ ہو یا بینکوں کی ضرورت نہ ہو یا کم ہو وہاں لین دین، کاروبار، تجارت، صنعت و حرفت اور زراعت کسی کی بھی حالت اچھی نہیں ہو سکتی، کیونکہ ہر چیز کی ترقی کے لیے رُپڑی کی ضرورت ہے اور آج کل رُپیہ فراہم کرنے والا ادارہ بینک ہی ہوتا ہے، کاروبار رونق، تجارتی گرم بازاری، اور صنعت و حرفت کی کثرت اسی ملک میں نظر آ سکتی ہے۔ جہاں اعتبار ہو اور اعتبار جتنا زیادہ ہوگا اسی قدر بینک وہاں زیادہ ہوں گے۔

دوسرے اکثر ملکوں میں بینکوں نے کافی ترقی کر لی ہے، چنانچہ ذیل میں ایک نقشہ دیا گیا ہے جس سے اس کا کچھ اندازہ ہو سکے گا کہ ان ملکوں کے مقابلے میں ہمارے یہاں بینکوں کی کس قدر کمی ہے، اگرچہ یہ اندازہ بالکل صحیح اس لیے نہیں ہو سکتا کہ ایک تو اعداد ایک وقت کے نہیں ہیں، دوسرے آبادی بھی ایک سال کی نہیں ہے، تیسرے

ان ملکوں کے سٹوں کے تبادلے کی قیمتوں میں تغیرات ہوتے رہتے ہیں مگر مقابلے کے بغیر کسی چیز کی کمی یا زیادتی کا ٹھیک ٹھیک احساس ہونا بھی بڑا مشکل ہے اس لیے تازہ ترین اعداد کو فراہم کیا گیا ہے اور مقابلے کی آسانی کی خاطر ان ملکوں کے سٹوں کو روپی میں تبدیل کر دیا ہے، رُڈ بناتے وقت عام معیاری شرح کو برقرار رکھا ہے، اس سلسلے میں ایک اور بات کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ بعض ملکوں میں بڑے بینک کم ہیں مگر ان کی شاخیں بہت زیادہ ہیں مثلاً انگلستان میں بڑے بینک صرف ۱۵ ہیں، لیکن ایک ہی بینک یعنی "لائڈ بینک" کی دو ہزار سے زائد شاخیں ملک میں پھیلی ہوئی ہیں۔ یہی حال فرانس اور جاپان کا ہے، امریکہ کی متحدہ ریاستوں میں تو بینکوں کی شاخوں کا ایک وسیع نظام پھیلا ہوا ہے، اس کے برخلاف ہمارے یہاں اول تو بڑے بینک ہی کم ہیں، دوسرے ان کی شاخیں بھی زیادہ نہیں۔ ہندوستان میں اکثر ایسے قصبے موجود ہیں جن کی آبادی تیس چالیس ہزار کے لگ بھگ ہے مگر وہاں بینک کی کوئی شاخ نہیں ہے۔ ۱۹۵۱ء میں ہمارے یہاں جدو لی بینکوں (یہی ہمارے یہاں کے بڑے بینک ہیں) کی تعداد ۱۲۴ تھی جس میں سے ۵۰ ہندوستان میں اور ۷۴ برما میں واقع ہیں۔ مقابلے میں جو ملک پیش کیے گئے ہیں ان کے بینکوں کا مجموعی سرمایہ ہمارے یہاں کے سرمائے کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے مگر ہم نے امانتوں کا انتخاب اس لیے کیا ہے کہ مجموعی سرمایہ کسی ملک کی عام تجارت اور کاروبار کو نظر کرتا ہے اور ناگہانی امانتیں وہاں کے عوام کی عادتوں کا اظہار کرتی ہیں جہاں امانتوں کی مقدار زیادہ ہو وہاں بینک کاری کا ایک عام جتنا

پایا جائے گا۔ اور عوام بینکوں سے لین دین کرنے کے خوب عادی ہوں گے
جہاں امانتیں کم ہوں وہاں صورت برعکس ہوگی۔

ہندوستان - امریکہ کی متحدہ ریاستیں - انگلستان - جاپان - فرانس

۶۱۹

۳۷

۱۹۴۱ء

بینک اور ان کی شاخیاں ۱۳۸۵ ۱۵۰۱۶ ۱۰۹۷ ۳۶۵۴ ۲۰۷۸

کل امانتیں ۲ ارب ۲۲ ارب ۷۵ کروڑ ۱۲ ارب ۱۱ ارب ۴۰ ارب

۸۵ کروڑ روپیہ ۳۳ کروڑ پنچہ سین فرانک

امانتیں روپیے میں ۱۲۷ ارب ۱۱ کروڑ ۳۱ ارب ۴۰ ارب ۴ ارب

۳۰ کروڑ ۶۷ کروڑ ۴۴ کروڑ

آبادی ۴۰ کروڑ ۱۲ کروڑ ۵ کروڑ ۹ کروڑ ۱۲ کروڑ

۶۴۱ ۶۳۰ ۶۳۱ ۶۳۵ ۶۳۱

اوسط امانت فی کس ۷ روپی ۱۰۴۲ روپی ۲۲۶ روپی ۱۵۰ روپی ۱۰۵ روپی

بحساب روپیہ

۱۔ ہندوستان کے علاوہ دوسرے اعداد مجلس اقوام کی کتاب

Money and Banking—1938—99 سے لیے ہیں

۲۔ برما کی آبادی کو ہندوستان میں شامل کیا ہے کیونکہ بینک کاری کے

نظام میں وہ الگ نہیں ہے۔

۳۔ سگوں کی شرح تبادلہ حسب ذیل ہے۔

روپیہ = ۱۸ پنس یا ۱۳ روپی ۵ آنے ۴ پائی = ایک پونڈ

ڈالر = ۳ روپی ایک آن دو پائی

ین = ۲ شلنگ ۱۲ پنس

فرائگ = ۲ پنس

اس نقشے پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان نے ابھی بینکوں سے بہت کم فائدہ اٹھایا ہے، اگرچہ یہ ٹھیک ہے کہ ہمارے ہاں بینکوں کی ترقی کی اس قدر گنجائش نہیں جتنی کہ امریکہ، انگلستان یا جاپان وغیرہ میں ہے، کیونکہ اول تو ہمارے ہاں بڑے بڑے شہر اور قصبے بہت کم ہیں اور دیہات بہت زیادہ ہیں، بینکوں کی ترقی کے لیے شہروں کا وجود ضروری ہے، دوسرے لوگوں کی آمدنی کا اوسط بہت کم ہے، آبادی کا بڑا حصہ جو کماتا ہے اتنا ہی خرچ کر دیتا ہے۔ تیسرے ملک کا بڑا پیشہ زراعت ہے اور زراعت بھی قدیم اور فرسودہ اصولوں پر ہوتی ہے اس لیے اس سے کوئی نفع حاصل نہیں ہوتا جو پس انداز کیا جاسکے۔ چوتھے صنعت و حرفت کی بھی کمی ہے، یعنی ملک میں ایسے بڑے بڑے کارخانے نہیں ہیں جہاں کثیر سرمائے کی ضرورت ہو۔ پانچویں یہاں تعلیم کی کمی ہے، بینک سے کاروبار کرنے کے لیے تھوڑی بہت تعلیم اور نام واقفیت کا ہونا ضروری ہے ورنہ کاروبار نہیں ہو سکتا۔ چھٹے یہاں کے لوگوں کو اندونختے جمع کرنے کا بڑا شوق ہے، چنانچہ مختلف اندازوں کے مطابق ہندوستان میں آٹھ دس ارب روپیہ دغینوں یا زیورات کی شکل میں موجود ہے جو پیدائش کے کسی کام میں نہیں آ رہا ہے۔

جو اسباب بیان کیے گئے ان میں سے بعض تو بنیادی ہیں جن میں رفتہ رفتہ تبدیلی ہوگی اور جب تبدیلیاں ہو جائیں گی تو مزید بینک یا موجودہ بینکوں کی شاخوں میں اضافہ ہو جائے گا، مگر اس کا مطلب

ہرگز نہیں کہ ملک کے موجودہ بینک ہماری ضرورت کے لیے کافی ہیں، مثلاً ہندوستان میں ۲۳ ہزار سے زائد قصبے ہیں مگر ان میں سے صرف ساڑھے تین سو قصبوں میں بینکوں کی شاخیں قائم ہیں، اب بھی بہت سے کاروبار ایسے ہیں جنہیں قلتِ سرمایہ کی شکایت ہے، اگر ملک میں کافی سرمایہ ہو تو متعدد نئے نئے کاروبار پیدا ہو سکتے ہیں، اور جن کے لیے خود ملک کے اندر خام مال، محنت اور بازار موجود ہے، پھر اس وقت ملک کے اکثر کاروبار بیرونی سرمائے کے بل بوتے پر چل رہے ہیں جو ملک کے لیے کسی طرح بھی مفید نہیں، پھر ملک میں دفینوں اور زیوروں کی شکل میں سرمایہ بھی کافی موجود ہے صرف اس بات کی ضرورت ہے کہ اچھے اور مستند ادارے پیدا ہوں اور اس بے کار سرمائے کو کاروبار میں لگائیں، ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی ملک میں بینکوں کے قیام، ترقی اور توسیع کی گنجائش ہے۔

قدیم بینکاری

ہندوستان میں بینکاری کی ابتدا کب اور کس طرح ہوئی اس کی کوئی صحیح تاریخ تو موجود نہیں مگر قدیم جریدوں اور مذہبی کتابوں سے پتا چلتا ہے کہ یہ طریقہ دیدوں کے زمانے (۲ ہزار تا ۱۴۰۰ قبل مسیح) سے رائج ہے، ایم، ایل ٹینان (M. L. Tannan) نے لکھا ہے کہ ”غالباً ہندوستان ہی دنیا میں ایک ایسا ملک ہے جس کی دوسرے ملکوں کے مقابلے میں بینکاری کی معلومات بہت قدیم ہیں“ میڈوز ٹیلر (Meadows Taylor) نے ہندوستان کی تاریخ میں قدیم ہندوستانی بینکاری کا ذکر بڑے شاندار الفاظ

میں کیا ہے، وہ لکھتا ہے کہ ”منو کے قوانین پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندستان میں آج سے تین ہزار برس پہلے علم بینکاری کس قدر ترقی کر چکا تھا، بینکوں کے تغیرات کو اچھی طرح سمجھتے تھے، یہ لوگ یہی کھاتے حساب کھاتے اور روز نامے رکھا کرتے تھے، سادہ اور سود در سود دونوں طرح کا سود لیا کرتے تھے، تجارتی مال و ارباب کا بیمہ کرتے تھے۔ ہنڈیاں کاٹتے تھے، لوگوں کو ضمانت اور بلا ضمانت قرض دیتے تھے غرض کہ وہ تمام کاروبار کرتے تھے جو موجودہ زمانے کے بینک کرتے ہیں“

منو اور دشتو کی کتابوں میں ابتدائی مسیحی صدیوں کی بینکاری کا ذکر موجود ہے، البتہ چھٹی صدی سے سولہویں صدی تک بینکاری کا کوئی مکمل خاکہ موجود نہیں، صرف جینیوں کے ایک کتبے سے جو کہ آج میں محفوظ ہے یہ پتا چلتا ہے کہ بارہویں صدی میں جینی بینکار بڑے مال دار ہوتے تھے، جو دھویں میں ملتانوں کو اس کاروبار میں بڑا دخل تھا اور دہلی کی حکومت رپڑ کے معاملے میں ان کی امداد حاصل کیا کرتی تھی، فیروز شاہ کے زمانے میں سرسوتی کے بینکار حکومت کو قرض دیا کرتے تھے۔

سترہویں صدی کے وسط میں فرانسیسی سیاح جے بی تیویر نے یہاں کی بینکاری کے حالات کو تفصیل سے قلم بند کیا ہے وہ لکھتا ہے کہ: ”سرگانو میں ایک حصراف ہوتا ہے جو رپڑ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتا ہے، انہیں رکھتا ہے اور تجارت خارجہ میں بڑی امداد پہنچاتا ہے، اُس نے یہ بھی بتایا ہے کہ سورت میں مختلف مقامات مثلاً

لاہور، سرونج، آگرہ، احمد آباد، بڑھان پور، ڈھاکہ، ٹپنہ اور بنارس کے لیے ہنڈیاں کائی جاتی تھیں، جن کی مدت تین پہینے کی ہوتی تھی مگر شرح سود نہ صرف زیادہ تھی بلکہ ہر جگہ کی مختلف ہوتی تھی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس زمانے میں راستے میں مال کے چوری جانے کے خطرے بہت زیادہ تھے، مغلوں کے زمانے میں بینکاروں کی بڑی اہمیت تھی۔ اورنگ زیب نے ایک مشہور بینکار مانک چند کو ”سیٹھ“ کا خطاب عطا کیا تھا، اس کا بھانجا فتح چند بنگال کا مشہور ساہوکار گزرا ہے، جس کا خطاب ”جگت سیٹھ“ تھا، فرخ سیراس کو اکثر خلعت بھیجا کرتا تھا، بنگال کے نوابوں اور وہاں کے ساہوکاروں میں بڑے اچھے تعلقات تھے اور مال دار ساہوکاروں کا دربار پر بھی کافی اثر ہوتا تھا، جب ایٹ انڈیا کمپنی نے سراج الدولہ کے خلاف بنگال میں ایک محاذ قائم کرنا چاہا تو اس نے نواب کے وزیر میر جعفر اور درباری سیٹھ امی چند کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔

گویہ قدیم ساہوکار موجودہ بینکوں کی تمام خدمتیں انجام دیتے تھے مگر کسی قانون اور ضابطے کے پابند نہ تھے۔ عام طور پر ان کا کاروبار ایمان داری کے ساتھ چلتا تھا، ان کے بھی کھانے کی تحریر پتھر کی لکیر سمجھی جاتی تھی اور یہ اسی خصوصیت کا نتیجہ ہے کہ آج تک سرکاری عدالتیں اس کو مستند سمجھتی ہیں۔ بڑے ساہوکاروں کی دوسرے بڑے شہروں، قصبوں، گاؤں میں شاخیں ہوتی تھیں جو ”دکان“ کہلاتی تھیں، ان دکانوں کے نیچر نیب یا نیم کہلاتے تھے، ان کو بہت کم تنخواہ ملتی تھی اور لاکھوں کا کاروبار ان کے ہاتھ میں رہتا تھا، مگر

بددیانتی اور بے ایمانی کے واقعات بہت کم پیش آتے تھے۔ اس طرح کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ سارا کاروبار ساہوکار کے اپنے ذاتی سرمائے سے چلتا تھا۔ ابتدا میں سرمایہ تھوڑا ہوتا تھا مگر چونکہ شرح سود زیادہ ہوتی تھی اور سود در سود کا رواج تھا اس لیے اصل رقم بہت تھوڑے عرصے میں دوگنی اور تگنی ہو جاتی تھی۔

سترہویں صدی میں جب انگریز یہاں آئے تو وہ یہاں کی زبان سے ناواقف تھے، پھر یہاں کے اصول بینکاری سے بالکل نااہل، اس وجہ سے گڈ انھوں نے اپنی ذاتی کوٹھیاں قائم کیں مگر بنیانی حساب اور زبان کو برقرار رکھا اور ان چیزوں کو سیکھنے کے لیے مختلف قسم کے انعام مقرر کیے، ابتدا میں ایٹ انڈیا کمپنی براہ راست مالگڈاری وصول نہ کرتی تھی بلکہ یہ کام بینکاروں کے سپرد تھا وہ پندرہ یا بیس روز کی میعاد پر مالگڈاری ادا کرتے تھے اور پھر کاشتکاروں سے رقمیں وصول کیا کرتے تھے، ظاہر ہے کہ یہ طریقہ نہ صرف کاشتکاروں کے لیے بہت مضر تھا بلکہ اس طرح حکومت کا انحصار بھی ان بینکوں پر ہو گیا تھا لہذا مشیئة سے اس طریقے کو اڑا دیا گیا۔

جب ایٹ انڈیا کمپنی کے قدم یہاں جم گئے تو بوربین خیالات اور رجحانات کے تحت ملک میں آہستہ آہستہ بوربین طرز کے مختلف ادارے مدرسے، عدالتیں اور بینک وغیرہ بھی کھلنے لگے، سب سے پہلے ”ایچ سی ہاؤسز آف کلکتہ“ نے بینکاری کی ابتدا کی، بینکاری ان کا اصل کاروبار نہ تھی بلکہ اس کا مقصد اپنے اصل کام میں ایک قسم کی ذیلی امداد حاصل کرنا تھی، یہ ہندستان کے بڑے بڑے

در اور بینک کھلے، ایک کا نام بنگال بینک (اس کا پریسیڈنسی بینک سے کوئی تعلق نہ تھا) اور دوسرے کا جنرل بینک آف انڈیا تھا، مگر یہ دونوں بینک بھی بہت جلد ختم ہو گئے ۱۹۱۹ء میں مدراس میں گزٹ بینک قائم ہوا لیکن اسے بھی بہت جلد بند ہو جانا پڑا۔

پریسیڈنسی بینک

دراصل ہندوستان میں منظم طریقے پر بینکوں کی ابتدا پریسیڈنسی بینکوں سے ہوتی ہے، بنگال، بمبئی اور مدراس کے بینک پریسیڈنسی بینک کہلاتے تھے، اور بعد میں یہی امپیریل بینک آف انڈیا میں تبدیل ہو گئے اگرچہ یہ تینوں بینک الگ الگ قائم ہوئے اور مساوی حیثیت کے تھے لیکن جیسا کہ اُس زمانے میں بنگال کے گورنر کو بمبئی اور مدراس کے گورنروں کے مقابلے میں بعض اختیارات میں ترجیح حاصل تھی اسی طرح بینک آف بنگال کو اپنے دونوں معاصروں پر ترجیح تھی، مثلاً ۱۸۷۷ء کے قانون کی رو سے ہر ایک بینک کے کاروبار کا علاقہ مقرر ہو گیا تھا مگر بنگال کے بینک کو سارے برطانوی ہند میں کاروبار کرنے کی اجازت دی گئی اور بمبئی اور مدراس کے بینکوں کو صرف ان کے احاطوں تک محدود کر دیا گیا، چنانچہ حیدرآباد دکن میں بینک آف بنگال نے اپنی شاخ قائم کی، چونکہ ہندوستان کی بینکاری میں ان بینکوں کا درجہ بہت اہم رہا ہے اس لیے ان کا حال الگ الگ بیان کرنا مناسب ہے۔

انیسویں صدی کے ابتدائی حصے میں ملک کی خارجی تجارت

بڑھ رہی تھی اور نہ صرف تاجروں اور کاروباری آدمیوں کو بلکہ حکومت کو بھی بینک کی شدید ضرورت محسوس ہو رہی تھی، ان حالات میں یکم مئی ۱۹۳۷ء میں کلکتہ میں بینک آف بنگال کی بنیاد پڑی۔ ۲ جنوری ۱۹۳۷ء کو کمپنی نے اس کو منشور عطا کیا اور پچاس لاکھ سرمایہ مقرر ہوا، جو دس ہزار کے ۵۰۰ حصوں میں تقسیم کیا گیا، دس لاکھ روپے کی جانب سے ہیا کیا گیا اسی طرح کمپنی بھی بینک کی حصے دار بن گئی، باقی چالیس لاکھ حصے داروں سے وصول کیا گیا لیکن کسی شخص کو دس حصے سے زائد خریدنے کا حق نہ تھا، شرح سود بارہ فی صدی رکھی گئی بینک کو امانتیں رکھنے اور نوٹ چلانے کی اجازت دی گئی مگر بشرط لگائی گئی کہ نوٹوں اور امانتوں کی مجموعی مقدار بینک کے اصل سے زیادہ نہ ہو، بینک کے انتظام اور نگرانی کے متعلق بہت سے اختیارات کمپنی نے اپنے لیے محفوظ کر لیے، ۱۹۳۳ء میں منشور کی تجدید ہوئی اور بینک کو اصل کے چوگنے حصے یعنی دو کروڑ کی حد تک نوٹ جاری کرنے کا اختیار دیا گیا۔ ۱۹۳۲ء کے زمانہ ابری میں بینک کو تقریباً دس لاکھ کا نقصان برداشت کرنا پڑا۔

۱۹۳۳ء میں بینک آف بمبئی منشور کی رو سے ۵۲ لاکھ کے سرمایہ سے قائم ہوا، اور کمپنی نے تین لاکھ کے حصے خود خرید لیے، ۱۹۳۷ء میں یہ بینک دیوالیہ ہو گیا، اس کی وجہ امریکی ریاستوں کی خانہ جنگی اور روٹی کے قحط کی وجہ سے تخمیناً پانچ لاکھ کا زور تھا، اسی سال بمبئی میں ”نیو بینک آف بمبئی“ قائم ہوا اور ۱۹۳۶ء میں اس کو منشور عطا ہوا اور ایک کروڑ سرمایہ مقرر ہوا، بعد میں اسی کا نام بدل کر بینک

آف بمبئی رکھا گیا۔

۱۹۴۳ء سے پہلے مدراس میں سرکار کا ایک چھوٹا سا بینک قائم تھا، مگر اس کا کاروبار اور اصل بہت کم تھا چنانچہ اس سال اس کی جگہ بینک آف مدراس قائم ہوا، کمپنی نے اس کو نشور عطا کر کے تیس لاکھ سرمایہ مقرر کیا، جس میں سے تین لاکھ کمپنی نے دیا۔ اگرچہ اس بینک کو ایسا کوئی حادثہ پیش نہیں آیا جیسا کہ اس کے ہم عصر بینکوں کو پیش آچکے تھے مگر اس کی رفتار ترقی نیز نہ تھی، تاہم اس کی بنیاد سچے اور مضبوط تھی۔

یوں تو تینوں بینک الگ الگ قائم ہوئے لیکن جب سلاطینہ میں حکومت ہند نے قانون زر کاغذی نافذ کیا تو ان بینکوں کی سرگند متحد نظر آنے لگی، اس کی تفصیل یہ ہے کہ اب تک بینکوں کو اپنے نوٹ جاری کرنے کا اختیار تھا مگر اب اس حق کو سرکار نے پورے طور پر اپنے ہاتھ میں لے لیا اور بینکوں پر سے ان پابندیوں اور قیود کو بھی اٹھایا جو ان پر محض نوٹ جاری کرنے کی وجہ سے تھیں تاکہ ان کے منافع میں کوئی رکاوٹ نہ رہے، نیز ان کو بعض مراعات بھی دی گئیں، مثلاً جہاں ان بینکوں کی شاخیں یا صدر دفتر ہوں وہاں سرکار کی نقد رقمیں ان کی تحویل میں رہا کریں گی، مگر جب ضرورت ہو فوراً ان کی ادائیگی کی جائے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں بینک ان رقموں کو اپنے کاروبار میں نہیں لگا سکتے تھے، تاہم ان کی وجہ سے ان کے اعتبار میں اضافہ ہوتا تھا، سرکار اس رقم کا سود ^{طلب} نہیں کرتی تھی مگر بعض وقت بینک ان رقموں کو بروقت ادا نہ کر

مثلاً ۱۹۷۷ء میں بینک آف بنگال اور ۱۹۷۷ء میں بینک آف بھارت کو یہ صورتیں پیش آئیں چنانچہ ۱۹۷۷ء میں پریسڈنسی بینکوں کا ایک نیا قانون جاری ہوا اور سرکار نے کلکتہ، ممبئی اور مدراس میں اپنے خزانے قائم کر دیے، بینکوں کے حصے فروخت کر دیے گئے اور ان سے اپنی رقمیں واپس لے لیں، اس طرح بینکوں کے انتظام میں جو سرکاری عمل دخل باقی رہ گیا تھا اس کو بھی ختم کر دیا گیا، گویا اب ان کی نیم سرکاری حیثیت بھی ختم ہو گئی، تاہم حکومت اور عوام دونوں کی نظر میں یہ دوسرے بینکوں کے مقابلے میں قابل امتیاز تھے اور ان کو اب بھی بعض باتوں میں دوسرے بینکوں پر ترجیح تھی مثلاً حکومت کے قرضے کا انتظام، حکومت کی مخصوص قسم کی فائلز میں محفوظ رکھنا وغیرہ ان ہی کے ذمے تھا، حکومت ان کے حسابات کی جانچ کر کے ان کو ہفتے وار شایع کر دیا کرتی تھی۔

ان بینکوں کو بعض باتوں کی اجازت تھی اور بعض کی نہیں، مثلاً یہ مبادلات خارجہ میں حصہ نہیں لے سکتے تھے صرف بینک آف مدراس کو لنکا کی حد تک اس ضابطے میں مستثنیٰ کیا گیا، ان کو باہر سے قرضہ لینے یا باہر اپنی شاخ قائم کرنے کی بھی ممانعت تھی، ان کے قرضوں کی مقدار، مدت، قرضہ اور جن چیزوں کی ضمانت پر قرض دیا جاسکتا تھا، وہ سب بھی قانون کے تحت مقرر اور معین تھیں، دراصل ان پر چند قیود اس لیے بھی نہیں کہ کہیں خود کمپنی سے ان کا مقابلہ ہو سکا کیونکہ اُس زمانے میں انگلستان اور ہندوستان کے درمیان سارا لین دین کمپنی کے توسط سے ہوتا تھا، جہاں تک ان کے کاروبار

کا تعلق تھا ان کو امانتیں وصول کرنے، اپنے سرمائے کو حکومت، کارپوریشن، اور دیگر اداروں کے تسکوں میں لگانے، ہندستان میں ادا ہونے والی ہنڈیوں پر تبا کاٹنے اور سکارنے، پریسری نوٹوں اور تسکوں کی ضمانت پر قرض دینے، سونے چاندی کالین دین کرنے کی اجازت تھی۔ یہ اپنے صدر دفاتروں میں حکومت کے پختے کا انتظام کر سکتے تھے اور اکثر بلدیوں کے قرضے کا انتظام بھی ان ہی کے سپرد تھا۔

اگرچہ یہ صحیح ہے کہ ان بینکوں کو خارجی لین دین میں کوئی دخل نہ تھا اور اندرونی کاروبار میں بھی چند پابندیاں تھیں، مگر ان کا نشانہ ہی بینکوں کی حفاظت اور امداد تھا، ابتدا میں ان کو نوٹ جاری کرنے کی اجازت رہی، ۱۸۷۷ء تک ان کو نیم سرکاری حیثیت حاصل رہی اور اس کے بعد بھی یہ سرکار کی امداد اور سرپرستی سے محروم نہیں رہے عموماً تینوں بینکوں کے صدر دفاتروں میں سرکار کا ڈیرہ پونے دو کروڑ بلا سودی رُپیہ جمع رہا کرتا تھا، اور شاخوں کی رقم دو کروڑ کے لگ بھگ رہتی تھی، ان سب باتوں کی وجہ سے ان کا اعتبار بہت بڑھ گیا اور ان کی مالی حالت مضبوط ہو گئی، ذیل کے نقشے سے ان کے کاروبار کی ترقی کا اندازہ ہوتا ہے۔

(لاکھ روپوں میں)

سال ۱۹۰۰ء میں سرمایہ ذخیرہ محفوظ کلائماتیں نقداً ضلاً و مع کاروبار منافع فیصدی بینک آف بنگال

۱۰ ۱۳۳ ۴۲۲ ۸۶۱ ۶۸ ۲۰۰

سال اصل سرمایہ ذخیرہ محفوظ کرائے تہیں نقد فاصلات وسعت کار و منافع فیصدی

| | | | | | | |
|------------------|-----|------|------|-----|-----|-------|
| ۱۳ | ۳۰۹ | ۸۲۰ | ۲۱۲۵ | ۱۹۱ | ۲۰۰ | ۱۹۱۳ء |
| ۱۹ $\frac{1}{4}$ | ۹۱۰ | ۱۲۲۱ | ۳۸۳۲ | ۲۱۰ | ۲۰۰ | ۱۹۲۰ء |

بینک آف بمبئی

| | | | | | | |
|----|-----|-----|------|-----|-----|-------|
| ۱۱ | ۱۰۵ | ۲۲۸ | ۴۳۴ | ۵۱ | ۱۰۰ | ۱۸۹۵ء |
| ۱۴ | ۲۳۲ | ۴۷۷ | ۱۲۱۵ | ۱۰۶ | ۱۰۰ | ۱۹۱۳ء |
| ۲۲ | ۲۹۸ | ۸۷۶ | ۳۰۹۷ | ۱۲۰ | ۱۰۰ | ۱۹۲۰ء |

بینک آف مدراس

| | | | | | | |
|----|-----|-----|------|----|----|-------|
| ۱۰ | ۱۴۵ | ۱۴۴ | ۲۲۳ | ۱۶ | ۵۰ | ۱۸۹۵ء |
| ۱۲ | ۱۷۷ | ۲۱۹ | ۸۹۱ | ۷۳ | ۷۵ | ۱۹۱۳ء |
| ۱۸ | ۲۱۱ | ۵۰۵ | ۱۶۹۷ | ۴۵ | ۷۵ | ۱۹۲۰ء |

ان اعداد پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان بینکوں کے اصل میں بہت کم تبدیلی ہوئی مگر کاروبار کی وسعت ہمیشہ بڑھتی رہی، اور امانتوں کی مقدار میں بھی اضافہ ہوا، بالخصوص جنگ کے زمانے میں جو اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ باوجود لڑائی کی بے اطمینانیوں اور بے بنیاد افواہوں کے عوام کو ان پر پورا پورا اعتماد تھا، جنگ کے زمانے میں ان کے منافع کی شرح بھی بہت زیادہ رہی، جو ان کی کامیابی کی سبب سے بڑی دلیل ہے۔

پانچواں باب

امپیریل بینک آف انڈیا

ہر ترقی یافتہ ملک میں بہت سے ایسے کام ہوتے ہیں جو حکومت اپنے مرکزی بینک کے توسط سے کرتی ہے، مگر ہندستان میں ایسے بینک کے نہ ہونے کی وجہ سے یہ کام خود حکومت کو کرنا پڑتے تھے۔ مثلاً نوٹ جاری کرنا، کونسل بن اور ایورس کونسل بلوں کی ادائیگی، ہندستان میں رُپڑی اور انگلستان میں پونڈ کے قرضے کا انتظام، صوبہ داری حکومتوں، مقامی جماعتوں مثلاً بلدیوں، کارپوریشن، ضلع داری مجلسوں بندرگاہی جماعتوں کے قرضے کا انتظام، صنعتی کارخانوں اور زرعت وغیرہ کی امداد کے لیے قرض دینا، اُن سونے یا چاندی کے ذخیروں کا انتظام جو دوسرے ملکوں کی شرح مبادلہ کو برقرار رکھنے کے لیے رکھے جاتے ہیں، ان کاموں کے لیے ملک میں ایک مرکزی بینک کی ضرورت ہمیشہ محسوس ہوتی رہی، اس کی مفصل تاریخ تو اگلے باب میں بیان کی جائے گی، چنانچہ اسی سلسلے میں سن ۱۹۱۱ء میں یہ تجویز کی گئی کہ تینوں پریسینڈنسی بینکوں کو ملا کر ایک مرکزی بینک قائم کر دیا جائے مگر بینک اس پر رضامند نہ ہوئے، اس کے بعد سے مختلف کمیشن، کمیتیاں اور ملک کے سربراہ آردہ لوگ ہمیشہ اس بات پر زور دیتے رہے، چنانچہ جنگِ عظیم ختم ہونے کے بعد حکومت پر پھر زور ڈالا

گیا اور اس نے ان بینکوں سے متحد ہو جانے کے لیے کہا اور ساتھ ہی یہ دھکی بھی دی کہ اگر وہ اس پر رضامند نہ ہوں گے تو حکومت اپنا بینک الگ قائم کرے گی اور ان سے اپنی رقمیں واپس لے لے گی، تب مجبوراً ان بینکوں نے رضامندی کا اظہار کیا۔

Sir James Meaton

ان بینکوں نے سر جیمس میٹن

سے غیر رسمی گفتگو کے بعد حکومت کے سامنے اپنی ایک اسکیم پیش کی کہ وہ کن شرائط پر اتحاد کر سکتے ہیں، حکومت نے ان کی خاص خاص باتوں کو منظور کرنے کے بعد یکم مارچ سن ۱۹۰۱ء کو سر میکیم ہیلی کی جانب سے مجلس مقننہ میں اسپرل بینک آف انڈیا کا مسودہ پیش کرایا جو سلکٹ کمیٹی کے سپرد ہو کر ترمیم کے بعد ۵ ستمبر کو منظور ہوا، اور ۲ جنوری سن ۱۹۰۱ء سے اس کا نفاذ ہوا۔

بینک کا سرمایہ ۱۱ کروڑ ۲۵ لاکھ روپیہ قرار پایا، اگرچہ تینوں بینکوں کا سرمایہ، کروڑ تھا، باقی سرمایہ حصوں سے حاصل کیا گیا۔ ہر حصے کی قیمت ۵۰۰ روپیہ رکھی گئی، پریسڈنسی بینکوں کے حصے اس بینک کے حصوں میں تبدیل کر دیے گئے۔ عام نگرانی کے کام کے لیے ایک مرکزی بورڈ بنایا گیا، اس کے علاوہ کلکتہ، بمبئی اور مدراس میں مقامی بورڈ بنائے گئے۔ مرکزی بورڈ کے ممبر حسب ذیل لوگ مقرر ہوئے۔

(۱) دوینیٹنگ ڈائریکٹر جن کو گورنر جنرل مقرر کرے گا، مگر مرکزی بورڈ کو سفارش کرنے کا اختیار ہوگا۔

(۲) تینوں مقامی بورڈوں کے صدر، نائب صدر اور سکرٹری حصے اور

کے نمائندوں کی حیثیت سے شریک ہوں گے۔
 (۳) حکومت ہند کا کنٹرولر آف کرنسی یا کوئی اور سرکاری عہدے دار
 (۴) غیر سرکاری ممبر جن کو گورنر جنرل نامزد کرے گا مگر ان کی تعداد
 چار سے زائد نہ ہوگی۔

کنٹرولر آف کرنسی اور مقامی بورڈ کے سکریٹریوں کو جلسوں میں شریک
 ہونے کی اجازت تو تھی مگر ان کو رائے دینے کا حق نہ تھا، گورنر جنرل کو
 بینک کے تمام معاملات میں ہدایت دینے کا اختیار تھا، اور بینک کا فرض
 تھا کہ وہ اس پر عمل کرے، گو یا امپیریل بینک جو پہلے ایک خانگی ادارے
 کی حیثیت رکھتا تھا اب نیم سرکاری ادارہ بن گیا، حکومت نے بینک
 کی ایک ایسی پالیسی مقرر کر دی جس سے ہٹنے کا اس کو اختیار نہ تھا،
 شرح سود بھی حکومت ہی نے مقرر کی، مرکزی بورڈ کو ہفتے وار حساب
 شایع کرنے کا ذمہ دار قرار دیا گیا۔ اس کو لندن میں ایک شلخ کھولنے
 کی اجازت بھی دی گئی، مگر اس شلخ کو وہاں کے عوام سے کاروبار
 کی اجازت نہ تھی، حکومت نے رُپے کی حد تک اپنا سارا کاروبار اسی
 کے سپرد کر دیا، مگر حکومت ہند کا اسٹریٹنگ پلاننگ کا کاروبار بدستور
 انگلستان بینک کے ذمے ہی رہا۔

بینک کے حسب ذیل فرایض قرار پائے۔

(۱) حکومت ہند اور برطانوی حکومت کے تمسک خریدنا، ان ریلوں
 کے تمسک خریدنا یا ان کی دستاویزوں کو بطور ضمانت قبول کرنا
 جن کو سرکار امداد دیتی ہے، دستاویزوں اور مال کی ضمانت
 پر قرض دینا، مگر غیر منقولہ جاہد کی ضمانت پر قرض نہیں دیا جاتا۔

(۲) ہندستان اور لنکا میں ادا ہونے والی ہنڈیوں کو سکارنا یا ان پر
بٹا ساٹنا۔

(۳) بیرون ملک کی صرف ان ہنڈیوں کا کاروبار کرنا جن کی منظوری
گورنر جنرل سے حاصل کر لی ہو۔

(۴) اپنے گاہکوں کی ضرورتوں کے مدنظر ہنڈیاں جاری کرنا۔

(۵) سونے اور چاندی کی خرید و فروخت۔

(۶) ہندستان میں قرضہ حاصل کرنا اور امانتیں رکھنا۔

(۷) اپنے اثاثوں کی بنا پر لندن میں قرض حاصل کرنا، مگر وہاں سے عوام

کو قرض دے سکتا ہے اور نہ ان کی امانتیں محفوظ رکھ سکتا ہے۔

(۸) بحیثیت ایک پبلک ادارے کے سرکاری رقمیں وصول کرنا اور
ان کی ادائیگی کرنا۔

(۹) ایک خاص معاوضے پر سرکاری قرضے کا انتظام کرنا۔

(۱۰) وہ ملک میں کم سے کم سو شاخیں کھولے گا اور ہر بائینچ شاخوں

میں ایک شاخ کی جگہ کا انتخاب حکومت کی جانب سے ہوگا۔

۱۹۲۱ء میں اس کی ۵۹ شاخیں تھیں۔ ۱۹۲۶ء میں وہ بڑھ

۱۰۱ ہو گئیں اور اب اس ملک میں ۱۷۳ شاخیں قائم ہیں۔

(۱۱) بینک عوام کو ایک مد سے دوسری مد میں رُپیہ منتقل کرنے

میں سہولت بہم پہنچائے گا۔

(۱۲) بینک اپنی ایک شاخ سے دوسری میں رُپیہ منتقل کرنے

میں بھی آسانیاں فراہم کرے گا۔ پہلے اس کام کے لیے بینک

کی شرح چار آنے فی سیکڑہ تھی مگر اب ایک ہزار سے زائد رقم پر

یہ سچ ایک آڈیٹ سیکڑہ کر دیا گیا اور جب ۱۹۲۷ء میں بینکوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ اپنی زمین ادھر ادھر امپیریل بینک کے توسط سے روانہ کیا کریں تو یہ سچ نصف آڈیٹ کر دی گئی۔

حکومت نے بینک سے یہ بھی وعدہ کیا کہ جہاں بینک کی شاخ ہوگی وہاں حکومت رپڑی کی فراہمی کا کوئی کاروبار خود نہ کرے گی۔ چونکہ امپیریل بینک کو بہت کچھ سرکاری کام کرنے کا حق بھی دیا گیا تھا اس لیے اس پر چند پابندیاں بھی لگائی گئیں، مثلاً وہ بیرونی کاروبار میں کوئی حصہ نہ لے، کیونکہ اس میں زیادہ خطرے ہیں، دوسرے غیر متعلقہ جاہلاد یا ان کی دستاویزوں کی ضمانت پر قرض نہ دے کیونکہ ان چیزوں میں رپیہ بھنس جاتا ہے اور ضرورت کے وقت رپڑی کا ملنا مشکل ہو جاتا ہے، البتہ ان دستاویزوں کو ذیلی حیثیت سے قبول کیا جاسکتا ہے بینک اپنے حصوں کی ضمانت پر قرض نہیں دے سکتا۔ کسی کمپنی یا کسی شخص کو جو قرض دیا جائے گا وہ مرتبہ قواعد کی حد سے زیادہ نہیں ہو سکتا چھ ماہ سے زائد عرصے کے لیے قرض نہیں دیا جاسکتا، شخصی قرضہ اس وقت تک نہیں دیا جاسکتا جب تک کہ وہ مستند غیر جانب دار شخص ضمانت نہ دیں۔

ہندوستانیوں کی جانب سے اس بینک پر ہمیشہ اعتراضات ہوتے رہے مثلاً نہ تو یہ پورا پورا سرکاری بینک ہے اور نہ ہندوستانی، اس کے بورڈ میں زیادہ تر یورپین مفاد کی نمایندگی ہوتی ہے، اس وجہ سے ہندوستان کے صنعتی و تجارتی کاروبار کے لیے اس کا قیام کچھ زیادہ مفید نہیں، دوسرے اس کی پالیسی وہی ہے جو پریسیڈنسی بینکوں کی

تھی، اور جس طرح ان بینکوں کو ہندستانی مفاد، یہاں کے صناعتوں اور تاجروں سے کوئی ہمدردی نہ تھی، اسی طرح بینک کو بھی نہیں ہے، اس کے بورڈ میں چار غیر سرکاری ہندستانی ممبر ہیں جن کی تعداد بالکل ناکافی ہے اور وہ ہندستانی مفاد کی حفاظت نہیں کر سکتے، اس میں یہ ایک خانگی بینک ہے مگر سرکاری زمینیں اس کے پاس رہنے اور دوسرے سرکاری کام کرنے کی وجہ سے اس کے کاروبار میں خاصا اضافہ ہو گیا ہے اور اس طرح اس کو کافی نفع ہونے لگا ہے، مگر اس منافع کا بہت کم حصہ ہندستانیوں کو ملتا ہے، اس نے اپنی شاخیں عام طور پر ان مقاموں میں کھولی ہیں جہاں پہلے سے دوسرے بینکوں کی شاخیں قائم تھیں، جس کی وجہ سے ان شاخوں کو اس بینک کی شاخوں سے مقابلہ کرنے میں بڑی حد تک جدوجہد کرنا پڑتی ہے۔ ان باتوں کے علاوہ یہ بینک ہندستانیوں کو بینکاری کی تعلیم و تربیت کے سلسلے میں کسی قسم کی سہولتیں بہم نہیں پہنچاتا، اس کی وجہ سے ہندستانیوں میں بینکاری کی مہارت اور مشق پیدا نہیں ہوتی۔

بہر حال ایک طرف تو اس بینک پر مختلف اعتراضات ہوتے رہے اور دوسری طرف مختلف کمیشنوں اور کمیٹیوں نے ایک نئے مرکزی بینک کے قیام کی سفارش کی، چنانچہ سلسلہء میں ریزرو بینک قائم ہو گیا، اور اب ایمپریل بینک کی وہ حیثیت باقی نہ رہی لہذا اس کے قانون میں بھی ترمیم کی گئی، نئے قانون کی رد سے مرکزی بورڈ میں تبدیلی کر دی گئی، اس کے علاوہ اب یہ بینک پہلے کی طرح حکومت کا کاروبار نہیں کرے گا، لیکن ریزرو بینک کے ایجنٹ کی حیثیت سے وہ حکومت کے

چھٹا باب

مرکزی بینک کا مفہوم اور ہندستان میں اس کی ضرورت

آج کل ہر ترقی یافتہ ملک میں مرکزی بینک کا وجود ناگزیر سمجھا جاتا ہے، اس سے مراد ”ایک ایسا ملکی ادارہ ہے جو زر اور قرضے کی مقدار رسد کو اپنے قابو میں رکھے، تاکہ ایک طرف تو زر کی قدر قائم رہے یعنی چیزوں کی قیمتوں میں بار بار زیادہ تبدیلی نہ ہو اور دوسری طرف وہ سیاسی اثرات سے پاک ہو، اور تیسری طرف صرف نفع کمانے کی خواہش سے آزاد ہو، تاکہ نہ تو وہ اپنے غیر معمولی اقتدار سے کسی سیاسی جماعت کو فائدہ پہنچا سکے اور نہ وہ اس اختیار سے بے جا فائدہ اٹھا کر اپنے حصے داروں کے منافع میں اضافہ کر سکے“

گویا مرکزی بینک کا خاص کام زر کی قدر میں استحکام پیدا کرنا ہے تاکہ چیزوں کی قیمتوں میں جلدی جلدی کمی و بیشی نہ ہونے پائے، کیونکہ قیمتوں کے یہ تغیرات ملک کی تجارت اور کاروبار کے لیے مفید نہیں ہوتے، مگر کوئی ادارہ یہ اہم فرض اس وقت تک انجام نہیں دے سکتا، جب تک کہ اس کو چند اختیارات حاصل نہ ہوں مثلاً نوٹ جاری کرنا، دیگر بینکوں کے ذخیرے اپنے پاس محفوظ رکھ کر ان بینکوں پر اپنی نگرانی رکھنا، منسکوں کی خرید و فروخت اور ہنڈیوں پر بٹا کاٹنے کا حق۔ پہلی دونوں چیزوں کا اجارہ حاصل ہوتا ہے اور بعد کی دونوں چیزوں کا کاروبار

بعض کام انجام دیا کرے گا، اس کی لندن کی شاخ پر جو امانتیں تھیں اور قرض دینے کی پابندی تھی وہ اٹھالی گئی، بینک کو ہندستان اور بیرونی ملکوں میں بغیر اجازت اپنی شاخیں قائم کرنے کا اختیار دیا گیا، نیز بینک کو اپنے سرمائے میں اضافہ کرنے، بیرونی ملکوں کے بل خریدنے، قرضہ حاصل کرنے، جائیداد غیر منقولہ پر قرض دینے اور ریزرو بینک کے حصوں پر قرض دینے کی بھی اجازت مل گئی، قرضے کی مدت چھ ماہ سے بڑھا کر نو ماہ کر دی گئی۔ اب گورنر جنرل کو بینک کی پالیسی میں مداخلت کا اختیار باقی نہ رہا۔

مگر بینک کو پوری آزادی اب بھی نہ ملی اور اس قانون کے باوجود چند پابندیاں عاید رہیں، مثلاً مقدار قرضہ، قرضے کی مدت وغیرہ کا تعین کر دیا گیا۔ اس کی وجہ یہ بتائی گئی۔ چونکہ وہ ریزرو بینک کا سولہ ایجنٹ ہے اور حکومت کی نقد رقمیں رکھتا ہے، لہذا اس کو خطاناک کاموں سے روکنا ضروری ہے۔ بہر حال اسپرین بینک، ریزرو بینک کے بعد ہندوستان کا دوسرا اہم بینک ہے، یہ سرسختی اپنے حسابات شایع کرتا ہے، چنانچہ ایک ہفتے کے حسابات کی مختصر تفصیل دوسرے ضمنے میں شامل کی گئی ہے۔

کھلے بازار میں ہوتا ہے، جہاں دوسرے بینک بھی اس کے حریف ہوتے ہیں
مرکزی بینک کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ ان حقوق اور اختیارات کو
اس طرح استعمال کرے کہ اس کے وجود کا حقیقی مقصد پورا ہو جائے ،
یعنی ملک کا زر اندرونی اور بیرونی حالات سے متاثر نہ ہو، بینک اپنے
پہلے اختیار کی بدولت زر کی مقدار میں حسب ضرورت کمی یا زیادتی کر سکتا
ہے، لیکن دوسرے بینک بھی اپنی اپنی آسامیوں کو فرض دے کر یا فرض
دی ہوئی رقمیں واپس لے کر مقدار زر میں اضافہ یا تخفیف کر دیتے ہیں،
اس لیے یہ لازمی ہوتا ہے کہ بینک آزاد نہ رہیں اور بینکاری کا سارا نظام ایک
مرکز پر آجائے، اس لیے دوسرے بینکوں کو اپنے محفوظ ذخیروں کا کچھ حصہ
مرکزی بینک کے یہاں بلا سود امانت رکھنا پڑتا ہے، اس طرح ہر بینک کی جداجدا اور
بے تعلق جدوجہد میں ایک طرح کا ربط پیدا ہو جاتا ہے، اور مرکزی بینک جو
بینکوں کا بینک یا صدر بینک ہوتا ہے مختلف بینکوں کے کاروبار کو ملک کے
مشترکہ مفاد کے خلاف جانے سے روک سکتا ہے، اور اس طرح ملک کی ایک ہم خدمت انجام دیتا ہے۔
چونکہ مرکزی بینک کی ذمے داریاں اہم اور اختیارات غیر معمولی
ہوتے ہیں اس لیے اس پر چند پابندیاں بھی لگائی جاتی ہیں، یعنی
حکومت کے عہدے داروں اور مجلس قانون ساز کے ممبروں دونوں
کو اس بینک کے انتظامات سے بے دخل رکھا جاتا ہے، آج کل اکثر
ملکوں میں حکومتیں بدلتی رہتی ہیں کبھی ایک جماعت برسرِ اقتدار ہوتی
ہے اور کبھی اس کی حریف جماعت حکومت پر قبضہ کر لیتی ہے، آج جو جماعت
حکومت کی مخالف بنچوں پر بیٹھتی ہے کل حکومت کی باگ ڈور اسی کے
ہاتھ میں ہوتی ہے، اب اگر مرکزی بینک بھی جماعت بندیوں کا نشانہ

ہو جائے تو اس کا سارا کاروبار ہی پٹ ہو جائے، دوسرے جز کے اس بینک کا کام نفع کمانا نہیں ہوتا اس لیے یہ اپنے حصے داروں کو ایک خاص مفرد شرح سے زائد منافع تقسیم نہیں کر سکتا، اور اسی وجہ سے وہ امانتوں پر سود ادا نہیں کرتا، کیونکہ اس کا منافع کم ہوتا ہے، تیسرے بینک کے ناظموں کی مجلس میں کسی خاص طبقے کی نمائندگی ممنوع قرار دی جاتی ہے اور چونکہ نہ صرف بینک کی مجلس انتظامیہ کی رکنیت، حق رائے دہی، بلکہ اس کے حصوں کی خرید بھی صرف ملکیوں کے لیے مخصوص ہوتی ہے تاکہ بینک ہر قسم کے بیرونی اثرات اور خارجی اقتدار سے محفوظ رہے۔

ہندستان کے پڑانے نظام زر میں ایک سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ زر کا انتظام اور قرضے کا لین دین دو حصوں میں بٹا ہوا تھا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ قرضے کا کاروبار کرنے والا کوئی منظم ادارہ موجود ہی نہ تھا، حالانکہ اصولی طور پر یہ دونوں شعبے ایک ہی ادارے کے ماتحت ہونا چاہیے تھے، اب تک ملک میں جو طریقہ رائج تھا اس کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ زر مہیا کرنا اور اس کی رسد کو قابو میں رکھنا تو حکومت کے فرائض میں داخل تھا، مگر کہا جاتا ہے کہ بسا اوقات حکومت نے کمال غیر جانب داری سے اس فرض کو انجام نہیں دیا بلکہ زر کے انتظام کے سلسلے میں اپنے مالی اغراض کو بھی پیش نظر رکھا، حکومت اپنے مالی حالات کو دیکھتے ہوئے زر کی مقدار میں کمی بیشی کیا کرتی تھی، مگر کاروبار اور تجارت کے لیے یہ اصول مفید نہیں، دراصل زر اور بینک کے معاملات خالص تجارتی نوعیت کے ہیں، اور ان کا ایک ایسے ادارے کے زیر اقتدار رہنا جو سیاسی الجھنوں میں گھرا رہتا ہو کسی طرح مناسب

نہیں ہو سکتا، نیز جو ادارہ زر کا انتظام کرے، اسی کا یہ فرض ہے کہ وہ ملک کے اندر قرضے کا لین دین بھی کرے اور شرح سود کو بھی اپنے قابو میں رکھے، لیکن حکومت ہند زر کا انتظام تو کرتی تھی مگر اپنے دوسرے فرض سے بالکل غافل تھی جس کی وجہ سے ملک کے تجارتی طبقوں اور عوام کو بے شکایت پیدا ہو گئی کہ ایک خالص معاشی اور تجارتی معاملے میں سیاسی ریشہ دو اینوں کے اثر کا کیا سبب ہے؟ اور اسی وجہ سے ان کا اصرار تھا کہ ملک میں ایک ایسا ادارہ قائم کیا جائے جو مرکزی بینک کے فرائض انجام دے سکے۔

ہندستان میں مرکزی بینک کے قیام کی کوشش بہت پرانی چیز ہے، لیکن جنگ عظیم کے بعد جب قومی بیداری میں اضافہ ہوا اور بہت سے نئے نئے مسئلے پیدا ہوئے تو مرکزی بینک کے سوال نے بھی بہت اختیار کر لی اور بالخصوص یہی وہ زمانہ تھا جب مختلف برطانوی نوآبادیوں مثلاً آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ نے اپنے ہاں مرکزی بینک قائم کیے چنانچہ اسی زمانے میں حکومت نے پریسڈنسی بینکوں کو ملا کر امپیریل بینک قائم کر دیا۔ اب سوال یہ ہے کہ جب امپیریل بینک قائم ہو چکا تھا تو پھر ایک نئے بینک کی ضرورت کیوں باقی رہ جاتی ہے؟ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ حکومت اسی کو مرکزی بینک کی حیثیت دینا چاہتی تھی، مگر سندھیوں کو اس پر مختلف اعتراض تھے پہلے یہ کہ امپیریل بینک اصل میں ایک خانگی بینک ہے جس کا مقصد اپنے حصے داروں کو زیادہ سے زیادہ منافع ہم پہنچانا ہے اور ایک خانگی بینک کو مرکزی بینک کے فوائد سے استفادہ کرنے دینا اصولاً جائز نہیں، دوسرے اس کو شاخیں

کھولنے کا حق ہے اس صبح اس کی حیثیت تجارتی بینک کی سی ہو جاتی ہے اور
 تجارتی بینک کو اس قسم کی رعایتوں سے فائدہ اٹھانے کا حق دینا کسی
 طرح مناسب نہیں، تیسرے اس کو سنہ ۱۹۲۰ء کے قانون کے تحت بعض
 خاص رعایتیں حاصل ہیں اور اس وجہ سے دوسرے بینکوں کو اس سے
 مقابلہ کرنے میں دشواری پیدا ہو جاتی ہے، اب اگر اسی کو مرکزی بینک میں
 تبدیل کر دیا گیا تو اس کی ساکھ اور اعتبار میں اضافہ ہو جائے گا، اور
 دوسرے بینکوں کو اس سے مسابقت کرنے میں مزید دشواریاں پیدا
 ہو جائیں گی۔ یہ دشواریاں ملک کے عام نظام بینکاری کے مفاد کے
 خلاف ہوں گی، چوتھا اعتراض یہ تھا کہ اگر اس کو مرکزی بینک بنا دیا
 گیا تو اس کے منظور میں ایسی تبدیلیاں کرنا پڑیں گی کہ وہ موجودہ تجارتی
 کام یا اغراض جو وہ انجام دے رہا ہے پوری نہ کر سکے گا، اس آخری
 اعتراض سے ملٹن بینک کیشن نے بھی اتفاق کیا اور بتایا کہ سنہ ۱۹۰۷ء
 کے بعد سے اسپرل ملک کی صنعتی جدوجہد میں کافی حصہ لے رہا ہے
 اس لیے اس کو اس کام سے روکنا مناسب نہیں، بلکہ اس پر جو چند
 پابندیاں ہیں وہ بھی ہٹائی جائیں تاکہ وہ پوری آزادی سے کاروبار
 کر سکے اور ملک میں بینکاری کی مزید آسانیاں بہم پہنچا سکے۔ کیشن
 نے ایک علیحدہ مرکزی بینک قائم کرنے کی سفارش کی اور اسپرل
 بینک کو اس کے ایجنٹ کے طور پر کام کرنے کی تجویز پیش کی تھی،
 بہر حال ان اسباب کی بنا پر اسپرل قائم ہوجانے کے بعد بھی مرکزی
 بینک کا مسئلہ زیر بحث اور زیر غور آتا رہا۔

ساتواں باب

ہندستان کے مرکزی بینک کی تاریخ

ہندستان میں مرکزی بینک کے قیام کا سوال کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ بہت پُرانی چیز ہے اور بڑے عرصے سے اس کی جدوجہد ہو رہی تھی۔ ذیل میں اس کی پوری تاریخ مختصر طور پر پیش کی جاتی ہے۔

۱۹۰۳ء میں گورنر جنرل دارن ہٹینگین نے "جنرل بینک آف بنگال و بہار" کی ایک تجویز پیش کی، اس بینک کے سپرد اکثر وہی کام کیے گئے جو آج کل مرکزی بینک کرتا ہے، اس تجویز کو حکومت نے منظور کر لیا اور بینک قائم ہو گیا، اس نے کئی ضلعوں میں اپنی شاخیں بھی کھولیں مگر مقامی عہدے داروں اور کمپنی کے ناظموں نے اس کی کچھ مہم افزائی نہ کی اور یہ بینک بہت جلد ختم ہو گیا۔

دوسری اسکیم ۱۹۰۷ء میں جنرل بینک کے متعلق رابرٹ کراؤس نے پیش کی، ان کی رائے تھی کہ ملک میں ایک جنرل بینک قائم کیا جائے جو نہ خانگی ہو اور نہ سرکاری بلکہ دونوں کے بین بین ہو، اس کو نوٹ جاری کرنے کا بھی اختیار دیا جائے اور یہ ملک میں اپنی شاخیں بھی کھول سکے، مگر کمپنی کے ناظموں نے اس اسکیم کو مسترد کر دیا۔

۱۹۱۱ء میں جب پرسیڈنسی بینکوں سے نوٹ جاری کرنے کا اختیار لیا گیا تو پھر یہ سوال پیدا ہوا اور مشرعی ڈکسن

(G. Disken) نے جو بینک آف بنگال کے سکریٹری تھے، انہوں نے بینکوں کو ملا کر ایک مرکزی بینک بنانے کی تجویز پیش کی مگر بینک آف بھارت کی عدم رضامندی کی وجہ سے یہ تجویز پوری نہ ہو سکی۔ ۱۹۱۷ء میں مسٹر ایس ممبر کونسل نے اسٹیٹ بینک کے قیام کی ایک تجویز پیش کی، مگر حکومت کا خیال تھا کہ ہندستان میں ایسے بینک کا قیام ناممکن ہے، چنانچہ اس نے صرف پریڈنسی بینکوں کے دستور میں تھوڑی بہت تبدیلی کر کے اس تجویز کو ختم کر دیا۔

۱۹۱۷ء میں فاؤنڈیشن کے سامنے متعدد گواہوں نے مرکزی بینک کے قیام کی مختلف تجویزیں پیش کیں، اسی سلسلے میں آلفریڈ راش چائلڈ کی ایک اسکیم بھی تھی، جنہوں نے تینوں بینکوں کو ملا کر ایک بینک قائم کرنے کی رائے دی، ان کے پیش نظر انگلستان بینک کا دستور تھا، انہوں نے ہندستانی بینک کا سرمایہ ایک کروڑ چالیس لاکھ پونڈ رکھا اور بینک کو نوٹ جاری کرنے کا حق دیا، اور یہ تجویز کی کہ نوٹ پریس اور اسٹریٹنگ دونوں رقبے درج ہوں گی اور ایک پونڈ پندرہ رُپی کے مساوی ہوگا، حکومت اس کی شاخوں کو بطور خزانہ استعمال کر سکے گی، خود فاؤنڈیشن کے ایک ممبر نے ایک اختلافی نوٹ کی صورت میں مرکزی بینک کے قیام کی سفارش کی، مگر ان میں سے کوئی تجویز کامیاب نہ ہو سکی۔

۱۹۱۷ء میں سر ایڈورڈ لا (Sir Edward Law)

نے جو اس وقت فنانس ممبر تھے پریڈنسی بینکوں کے ناظموں، منجرب اور دیگر نایندوں سے مل کر اپنی ایک یادداشت تیار کی، چونکہ یہ مالیہ کے ممبر تھے اس لیے ان کے پیش نظر مرکزی بینک کے قیام کے ساتھ

ہی ساتھ اس کے اخراجات کا بھی سوال تھا، انہوں نے بتایا کہ ملک میں ایسا بینک قائم ہو سکتا ہے بشرطہ کہ اس کے اخراجات زیادہ نہ ہوں مگر انہوں نے اخراجات کا جو تخمینہ لگایا تھا وہ بہت زیادہ تھا۔ چنانچہ حکومت نے وعدہ کیا کہ وہ اس مسئلے پر غور کرے گی، مگر بعد میں حکومت کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکی، لارڈ کرزن بھی مرکزی بینک کے قیام کے بڑے حامی تھے مگر چونکہ اس وقت پریڈنسی بینک اتحاد کے قایل نہ تھے اس وجہ سے یہ بھی کچھ نہ کر سکے۔

بہر حال اس زمانے میں برابر ملک میں مرکزی بینک کے قیام پر بڑا شور و غنم ہوتا رہا اور جب ۱۹۱۳ء میں جمیبلین کمیشن مقرر ہوا تو انکھٹا کے مشہور ماہر معاشیات مسٹر جے، ایم کیس J. M. Keynes نے مسٹر کیبل Mr. Cable کے اشتراک سے ایک تفصیلی اسکیم تیار کر کے کمیشن کے سامنے پیش کی جس میں بینک کے فرائض اور طریق کار کی پوری پوری تشریح کی گئی تھی، اسی وقت کمیشن نے ایک اور نوٹ سرلینل ابراہام Sir Lionel Abraham سے تیار کرایا اور ان دونوں کو سامنے رکھتے ہوئے کمیشن نے سفارش کی کہ ملک میں ماہروں کی ایک چھوٹی سی کمیٹی مقرر کر کے اس معاملے کی تحقیق کرائی جائے اور اسٹیٹ بینک یا مرکزی بینک کے قیام پر غور کیا جائے، مگر کمیشن کی اس سفارش پر جنگ شروع ہو جانے کی وجہ سے کوئی کام نہ ہو سکا۔

۱۹۱۹ء میں ہندوستانی اجاروں اور قانون ساز جماعت کے ممبروں نے پھر یہ سوال اٹھایا چنانچہ ۲۳ ستمبر ۱۹۱۹ء کو راولپہاڑ سرنی، این شرما Sir B. N. Sharma نے لیجسلیٹو کونسل

میں ایک ریزولوشن پیش کیا کہ ملک میں ایک اسٹیٹ بینک قائم کیا جائے جو مسٹر کینس کی رپورٹ پر مبنی ہو، اس کے کچھ دنوں بعد جنگ ختم ہو گئی اور حکومت نے رائے عامہ کے رجحان کو دیکھتے ہوئے بینوں پر پیشی بینکوں کو اتحاد پر راضی کر کے اسپرل بینک قائم کر دیا۔ مگر مرکزی بینک کا مسئلہ اب بھی ختم نہ ہوا، ایک طرف عوام اور ہندوستانی معاشین اسپرل بینک کے خلاف تھے، دوسری طرف ۱۹۲۷ء میں ملٹن بینک کینس نے ایک نیا مرکزی بینک قائم کرنے کی رائے دی اور نئے بینک کا خاکہ تک تیار کر دیا۔

بہر حال ان وجوہ کی بنا پر حکومت کو مرکزی بینک کے قیام کی جتنی داری قبول کرنی پڑی اور ۲۵ جنوری ۱۹۲۷ء کو ریزرو بینک کے قانون کا پہلا مسودہ مجلس مقننہ میں پیش کیا گیا، اس میں اور کمیشن کی مجوزہ تجویزوں میں اختلاف تھا، اسمبلی نے مسودہ سلکٹ کمیٹی کے سپرد کیا، یہاں بڑی اختلافی صورتیں پیدا ہوئیں۔ شاید ہی کوئی دفعہ ایسی ہو جس میں کچھ نہ کچھ ترمیم نہ کی گئی ہو، مگر سب سے بڑے اختلاف دو تھے، ایک تو یہ کہ آیا یہ حصے داروں کا بینک ہو یا حکومت کا، اور دوسرے بورڈ کو حکومت نامزد کرے یا حصے دار انتخاب کریں۔ اصولاً یہ حصے داروں کا بینک ہونا چاہیے کیونکہ حکومت کا بینک ہونے میں اس کی حیثیت سرکاری محکمے کی ہو جاتی ہے اور عوام کو اس پر اعتماد نہیں رہتا، نیز پھر وہی جرانی شکایت باقی رہتی ہے کہ حکومت مفاد عامہ کی بجائے اپنے مفاد کو زیادہ پیش نظر رکھتی ہے۔

دوسری چیز یہ تھی کہ کونسلوں اور اسمبلیوں کے ممبروں کو بورڈ

میں نہ رکھا جائے کیونکہ اس طرح کونسل یا اسمبلی میں جو پارٹی برسرِ اقتدار ہوگی وہ اپنی پالیسی کو کامیاب بنانے کی کوشش کرے گی اور اس طرح بینک کی پالیسی میں مسلسل یکسانیت باقی نہ رہے گی اور جب بینک کے تمام مسئلے کونسل کے سامنے پیش ہوا کریں گے تو کونسلوں کا کام بھی بڑھ جائے گا ایک اور خطرہ بھی تھا کہ ہمیں سرمایے دار اور بالخصوص غیر ملکی لوگ اس کے حقے دار بن کر اس کی پالیسی پر قابض نہ ہو جائیں، اس خطرے کو دور کرنے کے لیے دو طریقے اختیار کیے گئے، ایک تو یہ کہ حقے ہندستان میں رہنے والوں کے لیے مخصوص کر دیے جائیں اور دوسرے صحیح طور پر حصے والوں کو ترجیح دی جائے، بہر حال بڑی بحث کے بعد سلکٹ کمیٹی نے اپنی رپورٹ پیش کی اور بتایا کہ یہ حکومت کا بینک ہونا چاہیے اور چونکہ اس کا سرمایہ زیادہ نہیں ہے لہذا حکومت یہ بار آسانی سے برداشت کر سکتی ہے۔ مرکزی بورڈ کے پندرہ ممبر مقرر کرنے کی سفارش کی گئی، جس میں گورنر اور سرکاری عہدے دار زر کو گورنر جنرل نامزد کیا کرے گا، مرکزی اسمبلی اور صوبے واری کونسلوں سے تین تین منتخب ممبر، چیمبر آف کامرس، اور فیڈریشن آف انڈین چیمبر کے دو دو ممبر، امدادِ باہمی بینک کا ایک نمائندہ، اور گورنر جنرل کے نامزد شدہ دو ممبر ہوں گے، کمیٹی کی اقلیت والی رپورٹ الگ تھی، سر بیسل بلیکٹ

Sir Basil Blakett

والی رپورٹ کی مخالفت کی اور مرکزی بورڈ کے ممبروں میں ترمیم کر دی، نیز ہندستانی اور یورپین نمائندگی کو الگ الگ برقرار رکھا پھر بھی بینک کے حصوں اور بعض دوسری باتوں میں اختلاف

تایم رہا اور اس مسودے کے پاس کرانے کا خیال ترک کر دیا گیا۔ کچھ دنوں کے بعد ۱۴ جنوری ۱۹۲۵ء کو حکومت نے بڑے غور و خوض کے بعد ”گولڈ اسٹینڈرڈ اینڈ ریزرو بینک“ کے نام سے ایک دوسرا بل پیش کیا، اس میں پہلے مسودے کی بعض اختلافی صورتوں میں ترمیم کر دی گئی، مثلاً حصہ پانچ کی بجائے سو پانچ کا کر دیا گیا، کسی شخص یا کمپنی کو بیس ہزار سے زیادہ حصے خریدنے کی اجازت نہ دی گئی، بورڈ کے ممبروں کی تعداد ۲۴ کر دی گئی، حصے داروں کو نمائندوں کو ناظموں کو منتخب کرنے کا حق دیا، انتخاب کی مدت پانچ سال رکھی گئی، کوئی حصے دار ایک سے زیادہ ووٹ نہیں دے سکتا، ناظم صرف وہی شخص ہو سکتا ہے جس نے پہلے کبھی کسی بینک یا کارپوریشن میں کام کیا ہو، مجلس قانون ساز کے ممبر اور حکومت کے ملازم اس کے ناظم نہیں ہو سکتے، یہ مسودہ ایجنڈے میں شامل تھا مگر اسمبلی کے صدر نے اس کو پیش کرنے کی اجازت اس لیے نہ دی کہ ابھی تک ریزرو بینک کا پہلا مسودہ اسمبلی میں پیش تھا، اب حکومت کے سامنے دو چیزیں تھیں یا تو پہلے مسودے کو ترمیموں کے ساتھ پیش کرے یا اس وقت تک انتظار کرے جب اس کی مدت ختم ہو جائے، چنانچہ حکومت نے پھر پہلے مسودے کو بہت سی ترمیموں کے ساتھ پیش کیا، مگر اختلافات اب بھی کم نہ ہوئے اور یہ مسودہ یوں ہی رہ گیا۔

۱۹۲۹ء میں بینکنگ انکوری کمیٹیوں کا تقرر عمل میں آیا اس کی مرکزی کمیٹی نے پھر مرکزی بینک کے قیام کی سفارش

کی، اور بتایا کہ اس کا سرمایہ حکومت کو فراہم کرنا چاہیے اور یہ ہندوستانی انتظام کے تحت ہو مگر سیاسی اثرات سے آزاد ہو، کمیٹی نے سلسلے کے ریزرو بینک والے مسودے کا بھی مطالبہ کیا اور اس میں کچھ تبدیلیاں کیں مثلاً بینک کو منقولہ سامان اور مال و اسباب کی ضمانت پر قرض دینا چاہیے زرعی ہنڈیوں کی مدت چھ ماہ کی بجائے نو مہینے ہونا چاہیے۔ وہ دیسی ریاستوں کا ایجنٹ بھی ہو، اور ہندوستان کے دیسی بینکاروں کو اس سے وابستہ کرنے کی کوشش ہونا چاہیے۔ ہنڈیوں کے رواج کو ترقی دینے کے لیے کمیٹی نے سفارش کی کہ ملک کے مختلف حصوں میں ایسے مال گودام بنوائے جائیں جہاں کاشتکار اپنا غلہ محفوظ رکھا کریں، اور بینک ان گوداموں کی رسیدوں پر قرض دیا کرے، نیز کم مدت والی ہنڈیوں پر سے ملکٹ بھی اٹھایا جائے۔

جب ۱۹۳۲ء میں ہندوستان کے نئے دستور پر بحث و مباحثہ کرنے کے لیے پہلی گول میز کانفرنس منعقد ہوئی تو یہ سوال پیدا ہوا کہ حکومت ہند کے ذخیرہ معیار طلا اور ذخیرہ زبر کاغذی کو مرکزی بینک کے سپرد کیا جائے، اسی وجہ سے ریزرو بینک کا معاملہ ”فیڈرل اسٹرکچر کمیٹی“ کے سپرد ہوا، جس نے سفارش کی کہ ہندوستان میں ریزرو بینک مستحکم بنیادوں پر قائم کیا جائے اور حکومت کے دونوں ذخیرے اس کے سپرد کیے جائیں، اور یہ سیاسی اثرات سے آزاد ہو، گول میز کانفرنس کے تیسرے اجلاس منعقدہ ۱۹۳۲ء میں یہ معاملہ فنانسلی سیف گارڈ کمیٹی کے سپرد ہوا، اس نے بھی ریزرو بینک کے قیام کی سفارش کی اور بتایا کہ اس کو نئے دستور سے پہلے قائم ہو جانا چاہیے۔ چنانچہ

۱۹۳۳ء میں جب ”سفید کاغذ“ شایع ہوا تو یہ شرط لگا دی گئی کہ مالی ذمے داری اس وقت تک مرکزی حکومت کے حوالے نہیں کی جاسکتی جب تک ریزرو بینک قائم نہ ہو جائے۔ گویا اس طرح حکومت ہند بینک قائم کرنے پر مجبور کر دی گئی، اور وہ پُرانا مسئلہ جو ۱۹۳۳ء میں دارن ہیٹیگز نے اٹھایا تھا اور جس میں اُس وقت سے لے کر اب تک ہندوستانی اور غیر ہندوستانی لوگوں نے پورا پورا زور لگایا تھا، اس میں ان دونوں کمیٹیوں نے دوبارہ جان ڈال کر زندہ کر دیا، چنانچہ ریزرو بینک کا تیسرا مسودہ ۸ ستمبر ۱۹۳۳ء کو اسمبلی میں پیش کیا گیا۔ اس میں لندن کی دونوں کمیٹیوں کی سفارش کا خاص طور پر سناٹا رکھا گیا تھا، حسبِ دستہ یہ مسودہ سلکٹ کمیٹی کے سپرد ہوا، جہاں آہ میں بہت سی ترمیمیں ہوئیں۔ آخر کار بڑی مدد قح کے بعد دسمبر ۱۹۳۳ء میں اس کو اسمبلی نے پاس کیا اور مارچ ۱۹۳۴ء میں گورنر جنرل کی منظوری کے بعد اس نے قانون کی شکل اختیار کر لی، دسمبر ۱۹۳۳ء میں گورنر جنرل نے بینک کے گورنر اور ڈپٹی گورنروں کا تقرر کیا، جنہوں نے بینک کا ابتدائی کام شروع کر دیا اور یکم اپریل ۱۹۳۵ء کو ریزرو بینک آف انڈیا ”قائم ہو گیا۔“

آٹھواں باب

ریزرو بینک

ریزرو بینک کا قانون ہندستان کی بینکاری میں بڑی اہمیت رکھتا ہے، اس قانون کو دوسرے ملکوں کے بینکوں کے حالات اور تجربوں سے فائدہ اٹھا کر ملک کے مفاد کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ یہ قانون چار حصوں میں تقسیم ہے اور ۶۱ دفعات ہیں۔

پہلے باب میں تعریفیں ہیں، دوسرے میں سرمایہ، حصوں اور انتظامی معاملوں کا ذکر ہے، تیسرا فرائض سے متعلق ہے، چوتھے میں ریزرو فنڈ، تنفیج اور زرعی قرضے وغیرہ کا ذکر ہے، قانون کے آخر میں پانچ جدولیں ہیں، پہلی میں پانچوں رقبوں کی تفصیل، دوسری میں متعلقہ بینکوں کی فہرست، تیسری میں امپیریل بینک اور ریزرو بینک کے معاہدے کا ذکر، چوتھی میں زائد منافع کی تقسیم کا اصول اور پانچویں میں ہفتہ واری حساب اور حسابی تختوں کا ذکر ہے، اس قانون کی چند اہم دفعات کا خلاصہ اور بینک کا عام نظام حسب ذیل ہے:-

۱۱. بینک کا نام ”ریزرو بینک آف انڈیا“ ہے، یہ نام اس لیے رکھا گیا کہ ملک میں پہلے سے بینک آف ہندستان، سنٹرل بینک آف انڈیا اور امپیریل بینک آف انڈیا وغیرہ ناموں کے بینک قائم

ہو چکے تھے۔

(۲) اس کا سرمایہ ۵ کروڑ ہے، جو سو سو روپیوں کے حصوں میں تقسیم ہے۔
 (۳) حصے داروں کے پانچ علیحدہ علیحدہ رجسٹر بی بی، کلکتہ، دہلی، مدراس اور رنگون میں ہیں۔

(۴) کل سرمائے کو حسب ذیل طریقے پر ان پانچ حلقوں میں تقسیم کیا گیا تھا، مگر حصوں کے رد و بدل سے اب اس کی تقسیم یہ ہو گئی ہے۔

| | | |
|-------------|------------------|-------|
| ۳ جون ۱۹۳۵ء | یکم اپریل ۱۹۳۵ء | |
| ۲,۱۰,۵۱۵ | ایک کروڑ ۴۰ لاکھ | بی بی |
| ۱,۱۹,۶۷۱ | ایک کروڑ ۴۵ لاکھ | کلکتہ |
| ۹۱,۰۶۳ | ایک کروڑ ۱۵ لاکھ | دہلی |
| ۶۰,۲۴۹ | ۷۰ لاکھ | مدراس |
| ۱۸,۵۰۲ | ۳۰ لاکھ | رنگون |

میزان ۵ کروڑ

۱۹۳۵ء میں حصے داروں کی کل تعداد ۴۷,۹۲۰ تھی اور

۵۶,۰۵۷ ہو گئی

(۵) ہر شخص جس حلقے میں رہتا ہے اسی حلقے کے رجسٹر میں اپنا حصہ خرید سکتا ہے، کوئی شخص ایک سے زائد رجسٹر میں نام نہیں لکھوا سکتا۔

(۶) حسب ذیل لوگ اور کمپنیاں اس کے حصے خرید سکتی ہیں۔

الف - ہندستان یا کسی دہی ریاست کا باشندہ ہو، برطانوی

رعایا میں سے ہو، یا کسی ایسی برطانوی نوآبادی کا باشندہ ہو

جو ہندوستانیوں کے خلاف نہ ہو۔

ب - وہ کمپنیاں جن کی رجسٹری ہندستان کے قانون کمپنی ۱۹۴۷ء کے تحت ہوئی ہے اور وہ انجینس جن کی رجسٹری قانون امداد باہمی ۱۹۳۷ء کے تحت ہوئی ہو۔

ج - کوئی منشور یافتہ بینک جن کو حکومت ہند نے منشور عطا کیا ہو۔
(۷) بینک کا صدر دفتر بمبئی میں ہے اور دوسرے چاروں مقاموں پر اس کی شاخوں کے مقامی دفاتر ہیں، صدر مقام پر ایک مرکزی بورڈ ہوتا ہے اور شاخوں میں مقامی بورڈ۔

(۸) مرکزی اور صوبہ داری یا دیسی ریاستوں کا کوئی ملازم، کسی دوسرے بینک کا ناظم، یا مجلس قانون ساز کا کوئی رکن صدر یا کسی مقامی بورڈ کا ممبر نہیں ہو سکتا۔

(۹) بینک کے مرکزی بورڈ میں سولہ ممبر ہوتے ہیں، گورنر، دو ڈپٹی گورنر اور چار ناظموں کو گورنر جنرل مقرر کرتا ہے، آٹھ ناظموں کا انتخاب حصے دار کرتے ہیں، ان میں بمبئی، کلکتہ، اور دہلی سے دو دو اور مدراس اور رنگون سے ایک ایک ناظم ہوتا ہے، ان کے علاوہ حکومت ایک عہدے دار زربھی مقرر کرتی ہے جو حکومت کے مفاد کی حفاظت کرتا ہے، مگر اس کو اور ڈپٹی گورنروں کو رائے دینے کا حق نہیں ہوتا۔ بورڈ کی ہر سہ ماہی ایک بینک ہونا ضروری ہے۔
(۱۰) مقامی بورڈوں میں آٹھ ممبر ہوتے ہیں، جن میں سے پانچ کا انتخاب مقامی حصے دار کرتے ہیں اور تین ممبروں کا تقرر مرکزی بورڈ کرتا ہے۔

(۱۱) بینک کی ایک شاخ لندن میں کھولی گئی ہے، مگر ہندستانی اس کو

غیر ضروری بتاتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ جس طرح انگلستان بینک یا دوسرے بینک، دوسرے ملکوں کے بینکوں سے یہ کام لیتے ہیں اسی طرح ریزرو بینک کو انگلستان بینک سے یہ کام لینا چاہیے تھا۔ اور اس طرح اخراجات میں کافی بچت ہو سکتی تھی۔

(۱۲) بینک کے ہر پانچ حصوں کے لیے ایک ووٹ ہے، مگر کوئی ایک آدمی ایک وقت میں دس ووٹ سے زائد کا مستحق نہیں، نیز ہر نیا ممبر ابتدائی چھ ماہ تک رائے دینے کا حق نہیں رکھتا۔

(۱۳) حکومت بینک کے حصے نہیں خرید سکتی اور نہ وہ بینک کے کاروبار یا انتظام میں مداخلت کر سکتی ہے۔

بینک حسب ذیل کام انجام دے سکتا ہے:-

۱- مرکزی اور صوبہ داری حکومتوں، دیسی ریاستوں، بینکوں اور عوام کی بلا سودی امانتیں محفوظ رکھنا۔

۲- پرائیسری نوٹوں اور ہنڈیوں کی خرید و فروخت اور ان پر بٹا کٹنا مگر تجارتی ہنڈیوں کی مدت ۹۰ دن اور زرعی ہنڈیوں کی معاً ۹ ماہ سے زائد نہ ہونا چاہیے، ان ہنڈیوں پر دو دستخطوں کا ہونا ضروری ہے، جن میں سے ایک دستخط جدولی بینکوں میں سے کسی ایک کے ہونے چاہیے۔

۳- بینک ان ہنڈیوں کی خرید و فروخت کر سکتا ہے جو برطانیہ عظمیٰ کے کسی مقام پر لکھی جائیں۔

۴- بینک اپنی فاضل رقمیں برطانیہ کے بینکوں میں رکھ سکتا ہے۔

۵- بینک، جدولی بینکوں سے اسٹراٹنگ کی خرید و فروخت کر سکتا ہے۔

- بشرطیکہ ان کی مقدار ایک لاکھ روپیہ سے زائد نہ ہو۔
- ۶۔ بینک صوبے واری حکومتوں، دیسی ریاستوں، اپنے اراکین بینکوں اور امداد باہمی کے بینکوں کو تین مہینے کی مدت کے لیے تسکوں کی ضمانت پر قرض دے سکتا ہے۔
- ۷۔ مرکزی اور مقامی حکومتوں کو ٹیکس وصول ہونے سے قبل عام اخراجات کے لیے تین ماہ کے لیے قرض دے سکتا ہے۔
- ۸۔ برطانیہ کے تسکوں کی خرید فروخت کر سکتا ہے۔
- ۹۔ وزیر ہند، گورنر جنرل اور حکومت کے لیے سونے کی خرید فروخت کا ایجنٹ بن سکتا ہے۔
- ۱۰۔ حکومت کے قرضے کا انتظام اسی کے سپرد ہے۔
- ۱۱۔ اپنے اراکین بینکوں سے قرض حاصل کر سکتا ہے۔
- ۱۲۔ اسٹرنگ معیار والے ملکوں کے زر کی خرید فروخت کر سکتا ہے، اور ان ملکوں کے تسکات اور ہنڈیوں کا کاروبار بھی کر سکتا ہے بشرطیکہ گورنر جنرل سے اس کی اجازت حاصل ہو۔
- ۱۳۔ اجرائی نوٹ کا حق صرف اسی کو حاصل ہے۔
- ۱۴۔ مقدار اعتبار کو کم یا زیادہ کرنے کے لیے تسکات کی خرید فروخت کر سکتا ہے۔
- ۱۵۔ ایسے تمام کاروبار انجام دے سکتا ہے جو اس کے فرائض کی انجام دہی کے لیے ضروری ہوں۔
- بینک حسب ذیل کاروبار نہیں کر سکتا:-
- ۱۔ کسی تجارت یا تجارتی کاروبار میں حصہ لینا۔

- ۲۔ اپنے حقے آپ خریدنا۔
- ۳۔ کسی دوسرے بینک یا کمپنی کے حقے خریدنا یا ان کی ضمانت پر قرض دینا۔
- ۴۔ بغیر ضمانت کے قرض دینا۔
- ۵۔ امانتوں اور چالو کھاتوں پر سود دینا۔
- ۶۔ غیر منقولہ جائیداد یا ان کی دستاویزوں کی ضمانت پر قرض دینا اور نہ بینک ان کا مالک ہو سکتا ہے بجز ان عارتوں کے جو کارڈ چلانے کے لیے ضروری ہوں۔ اس وقت ریزرو بینک کی انہی عارتیں بمبئی کے علاوہ رنگون اور لاہور میں ہیں۔
- بینک حکومت ہند کے سارے کام انجام دیتا ہے، اور جہاں بینک کی کوئی شاخ یا انجمنی ہوتی ہے وہاں سرکار اپنا خزانہ نہیں کھول سکتی، یہ بینک ٹیکس، ٹکٹ اور دوسرے قسم کے محصولات سے مستثنیٰ ہے۔ بینک کو نوٹ جاری کرنے کا اجازت حاصل ہے، یہ پانچ، دس پچاس سو، ہزار اور دس ہزار کے نوٹ جاری کر سکتا ہے، بینک کے ان نوٹوں کو قانونی حیثیت حاصل ہوتی ہے اور کوئی شخص ان کے لینے سے انکار نہیں کر سکتا، جنوری ۱۹۵۷ء میں بینک نے اپنے پانچ اور دس روپے والے نوٹ جاری کیے، اور آخر سال میں سو، ہزار اور دس ہزار کے نوٹ جاری کیے۔ فی الوقت پچاس اور پانسو کے نوٹ جاری نہیں ہیں، اس سال برما میں پانچ اور دس کے نوٹ جاری کیے اور دوسرے سال باقی قیمتوں کے نوٹ جاری ہوئے، ہندستان اور برما کے نوٹوں کے نمونوں میں فرق ہے۔

نوٹوں کے سلسلے میں بینک دو شعبوں میں تقسیم ہے، ایک نوٹ جاری کرنے والا شعبہ اور دوسرا عام بینکاری کا کام کرنے والا شعبہ، ان دونوں شعبوں کا حساب الگ الگ رکھا جاتا ہے اور ایک کی ذمہ داری دوسرے پر عاید نہیں ہوتی، جس مقدار کے نوٹ جاری کیے جاتے ہیں ان کا چالیس فی صدی سونا، سونے کے سکوں اور اسٹیلنگ کے ٹسکوں میں رکھا جاتا ہے مگر اس کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ سونے اور سونے کے سکوں کی مقدار کسی وقت ۴۰ کروڑ سے کم نہ ہونا چاہیے گورنر جنرل کی اجازت سے سونے کی اس مقدار کو گھٹایا جاسکتا ہے مگر ایسی صورت میں بینک کو ایک قسم کا تاوان دینا پڑتا ہے، لیکن جب سے بینک قائم ہوا ہے ہمیشہ سونے کی مقدار کا اوسط زیادہ ہی رہا ہے، چنانچہ گذشتہ چھ سالوں کا مجموعی اوسط ۴۱، ۵۰ فی صدی ہوتا ہے بینک کو اپنے سونے کا کچھ حصہ انگلستان بینک میں بھی رکھنے کا حق تھا مگر آج کل اس کا سونا کہیں باہر نہیں ہے، سونے کی اس مقدار کے علاوہ بقیہ حصہ رُپیہ، حکومت ہند کے ٹسکات، ہنڈیوں اور پرامیسری نوٹوں کی شکل میں رکھا جاتا ہے، مگر رُپیہ کے ٹسکات کی مقدار پچاس کروڑ سے زائد نہ ہونا چاہیے، البتہ گورنر جنرل خاص حالات میں اس میں مزید دس کروڑ کا اضافہ کر سکتا ہے۔

ہر وہ بینک جو ہندستان میں کاروبار کرتا ہے اور جس کا سرمایہ پانچ لاکھ سے زائد ہو، اپنی امانتوں کا دو فی صدی اور چالو کھاتوں کا پانچ فی صدی ریزرو بینک میں جمع کرنے پر مجبور ہے، اگر وہ یہ شرط پوری نہ کر سکے تو ریزرو بینک کم مقدار پر اپنی مقررہ شرح سے زائد سود

دصول کرنے کا اختیار رکھتا ہے، مگر قانون میں کوئی ایسی شرط نہ تھی کہ جب تک جرمانے کی رقم ادا نہ ہو بینک امانتوں کو واپس کرنے سے انکار کر دے۔ چنانچہ ۱۵ نومبر ۱۹۲۰ء کو اس دفعہ میں ترمیم ہو گئی اور ریزرو بینک کو یہ حق حاصل ہو گیا کہ جو بینک ایسی غلطی کرے اس کے منیجر یا سکرٹری پر ہر روز پانسو روپے تک جرمانہ بھی کر سکے گا نیز ان بینکوں پر یہ بھی فرض ہے کہ اپنے پورے حسابات کی تفصیل سے ریزرو بینک اور گورنر جنرل کو مطلع کرتے رہا کریں۔ یہ فہرست ہر چھ ماہ کی آخری تاریخ تک دونوں جگہ پہنچ جانا چاہیے، ورنہ ریزرو بینک ایسے بینک پر سو روپے تک جرمانہ کر سکتا ہے، ایسے بینکوں کو جڈلی بینک یا ریزرو بینک کے اراکین بینک کہا جاتا ہے۔

بینک کو عام کاروبار سے جو منافع ہوتا ہے وہ مقررہ شرح سے حصے واردوں میں تقسیم ہوتا ہے، مگر کسی صورت میں ۵ فی صدی سے زائد نہیں ہو سکتا۔ جب سے بینک قائم ہوا ہے وہ برابر $\frac{1}{4}$ فی صدی منافع تقسیم کر رہا ہے، منافع کا بقیہ حصہ گورنر جنرل کو ادا کر دیا جاتا ہے بشرطیکہ بینک کا "ریزرو فنڈ" پانچ کروڑ سے کم نہ ہو، اگر یہ فنڈ اس سے کم ہوگا تو منافع میں سے کم سے کم پچاس لاکھ روپیہ اس فنڈ میں داخل کیا جائے گا لیکن آج کل بینک کا ریزرو فنڈ اس کے اہل کے برابر یعنی ۵ کروڑ ہے۔ ۱۹۲۰-۲۱ء میں ریزرو بینک کو ۲۶، ۲۶، ۲۰ روپے منافع ہوا اور اس نے ۲۶، ۲۶، ۲۰ روپے مرکزی حکومت کو ادا کیے، یہ اتنی بڑی رقم ہے جو اس سے پہلے کسی ادا نہیں ہوئی گزشتہ سالوں میں حکومت کو بہ سال مندرجہ ذیل رقم ادا کی گئی ہے۔

| | |
|---------------|----------------|
| ۲۲,۹۳,۲۲۳ | ۱۹۳۵ء (نومبر) |
| " ۳۵,۹۲,۱۰۰ | ۱۹۳۶ء |
| " ۱۰,۴۱,۲۰۰ | ۱۹۳۷ء |
| " ۲۰,۹۵,۱۳۷ | ۱۹۳۸ء |
| " ۵,۰۰,۳۵۵ | ۱۹۳۹ء |
| " ۲۰,۵۴,۰۰۰ | ۱۹۴۰ء (جھومبہ) |
| " ۲,۶۱,۷۶,۴۴۷ | ۱۹۴۰-۴۱ء |

ریزرو بینک کے صدر دفتر کے چار بڑے شعبے ہیں، پہلا سکرٹری کا دفتر ہے جہاں بینک کی عام خط و کتابت اور مرکزی بورڈ کے جلسوں کی کارروائیاں وغیرہ ہوتی ہیں، دوسرا صدر محاسب کا دفتر ہے جہاں جملہ حسابات کی جانچ پڑتال ہوتی ہے، تیسرا خارجی مبادلے کو قابو میں رکھنے والا شعبہ ہے اور چوتھا زرعی اعتبار کو بڑھانے والا شعبہ ہے، عوام کو بینکاری کی سہولتیں بہم پہنچانے کے لیے ریزرو بینک ملک کے مختلف اداروں سے کام لیتا ہے یہ بینک کی ایجنسیاں کہلاتی ہیں ۱۹۳۱ء میں ہندستان اور برما میں ان کی کل تعداد ۱۳۰۰ تھی، اس میں حکومت کے خزانے اور ان کی شاخیں اور امپیریل بینک کی شاخیں شامل ہیں۔

چونکہ امپیریل بینک ریزرو بینک کا ایجنٹ قرار پایا، لہذا ان دونوں میں کوئی معاہدہ ہونا ضروری تھا چنانچہ ان دونوں میں پندرہ سال کے لیے ایک معاہدہ ہو گیا جو مدت گزر جانے کے بعد فریقین میں سے کسی ایک کی طرف سے پانچ سال کا نوٹس دینے پر ختم ہو سکے گا، اس

معاہدے کی رو سے اپیریل بینک، ریزرو بینک کا سول ایجنٹ قرار پایا، جہاں اپیریل بینک کی شاخیں ہوں گی وہاں ریزرو بینک اپنی شاخیں نہ قائم کرے گا، نیز اپیریل بینک اپنی کسی شاخ کو بغیر ریزرو بینک کی منظوری کے نہ بند کر سکے گا اور نہ اس کی جگہ بدل سکتا ہے۔ ریزرو بینک ان خدمتوں کے معاوضے میں اپیریل بینک کو پہلے پانچ سال تک نوکھ دوسرے پانچ سال چھ لاکھ اور تیسرے پانچ سال چار لاکھ روپیہ سالانہ ادا کرتا رہے گا، اس کے علاوہ حتمی رقم کا کاروبار ہوگا، اس پر ایک آٹھ فی سینکڑہ کمیشن دے گا، لیکن اگر کاروبار ڈھائی سو کروڑ سے زیادہ کا ہو تو کمیشن نصف آٹھ کر دیا جائے گا

ریزو بینک کے قیام کے وقت اس پر یہ شرطیں بھی لگائی گئی تھیں کہ وہ مندرجہ ذیل تین امور کے متعلق تحقیق و تفتیش کے بعد مفصل رپورٹ پیش کرے گا، ایک ہندستان کے معیار زر پر، دوسرے زرعی مالیات کو ٹھیک کرنے کی تدبیروں پر اور تیسرے دیہی مہاجنی کاروبار کرنے والوں سے دیہی معلومات حاصل کرنے پر جو بینکوں سے حاصل کی جاتی ہیں۔ پہلی چیز کے متعلق سہ ماہی میں رپورٹ پیش کی، مگر اس کے وہ نتائج پیدا نہیں ہوئے جن کے پیدا ہونے کی امید کی جاتی تھی۔

ریزو بینک کے دونوں شعبوں کے کاروبار کے حسابات الگ الگ پہلے ضمیمے میں دیے گئے ہیں۔

نواں باب

دوسرے بینک

دوسرے بینکوں میں مبادلہ بینک، مشترکہ سرمایے دار بینک، صنعتی اور زرعی بینک شامل ہیں، اب ان کا ذکر الگ الگ کیا جائے گا۔

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے حکومت نے پریسڈنسی بینکوں پر یہ پابندی لگادی تھی کہ وہ بیرونی لین دین میں حصہ نہ لیں، اور ہندستان کے باہر رقمیں جمع نہ کریں، مگر جب بیرونی تجارت بڑھی اور خارجی لین دین میں اضافہ ہونے لگا تو ایسے بینکوں کی ضرورت محسوس ہونے لگی جو مبادلے کا کام کر سکیں، چونکہ ابتدا میں ہندستانی تجارت میں انگلستان کا حصہ زیادہ تھا، اس لیے پہلے وہیں کے بینکوں نے اپنی شاخیں یہاں قائم کیں، مگر جیسے جیسے دوسرے ملکوں سے تجارتی تعلقات قائم ہوتے گئے ویسے ہی ان ملکوں کے بینکوں کی شاخیں بھی یہاں قائم ہونے لگیں، گویا مبادلہ بینک بیرونی ملکوں کے بینکوں کی شاخیں ہیں جو ہندستان میں کاروبار کرتے ہیں، ان کا سرمایہ بیرونی ہے اور ان کا سارا انتظام بھی بیرونی لوگوں کے ہاتھ میں ہے، ہندستان میں انگلستان، جاپان، امریکہ، فرانس، ہالینڈ وغیرہ کے بینک قائم ہیں (جنگ کی وجہ سے دشمن کے اکثر علاقوں کے بینک بند ہو چکے ہیں) یہ بینک دو قسم کے ہیں، پہلے وہ جن کا کاروبار صرف ہندستان

بنک محدود ہے جیسے انٹرنیشنل بینکنگ کارپوریشن، امپیریل بینک آف
 پریشیا، بینک آف تیوان (Bank of Taiwan) اور
 یوکوبا ما اسپیری بینک (Yokohama Specie B.) دوسرے
 وہ جن کا کاروبار ہندستان کے علاوہ دوسرے ایشیائی ملکوں میں
 بھی پھیلا ہوا ہے مثلاً انٹرنیشنل بینک آف انڈیا، چارٹرڈ بینک آف انڈیا
 آسٹریلیا اینڈ جاپان، اور ہانگ کانگ اینڈ سنگھائی بینکنگ کارپوریشن۔
 شروع میں ان بینکوں کا کام صرف تجارت خارجہ میں مدد دینا تھا۔
 لیکن ابھی کچھ دنوں سے انہوں نے ہندستان کے بعض شہروں میں
 اپنی شاخیں قائم کر کے اندرونی تجارت میں بھی حصہ لینا شروع کر دیا
 ہے، چنانچہ امرتسر کی کٹ بینس کی تجارت اور کان پور کی چمڑے کی تجارت
 انہی کے بل بوتے پر چل رہی ہے، اب یہ بینک ہندستانی کھاتے داروں
 کی رقمیں بھی امانت رکھنے لگے ہیں، لیکن ان کا سب سے اہم کام
 بیرونی ملکوں کی ہنڈیاں کاٹنا، مبادلات خارجہ کا انتظام کرنا اور ڈرز
 برآمد میں مدد دینا ہے۔

ہندستان میں ۱۹۴۷ء میں ۲۰ مبادلہ بینک تھے، جن کا سرمایہ
 دس کروڑ پونڈ کے قریب ہے اور ان امانتوں کی مجموعی مقدار جو انہوں
 نے ہندستان میں حاصل کیں ایک کروڑ روپے کے لگ بھگ تھی، ان میں
 سب سے بڑا بینک ”نیشنل سٹی بینک آف نیویارک“ ہے جس کا سرمایہ
 ۲ ۱/۲ کروڑ پونڈ، امانتیں ۳۳ کروڑ پونڈ اور کل کاروبار ۲۴ کروڑ پونڈ
 کا ہے، اس کے بعد دوسرا بڑا بینک ”لانیڈز بینک“ ہے جس کا کل کاروبار
 بھی پہلے بینک کے قریب قریب ہے مگر سرمایہ ۱ ۱/۲ کروڑ پونڈ ہے اور

امانتیں پہلے بینک سے زیادہ ہیں۔

گو مبادلہ بینک ہندستان کی ایک اہم خدمت انجام دے رہے ہیں۔ مگر ہندستانی ان سے کچھ خوش نہیں ہیں کیونکہ ایک تو مبادلاتِ خارجہ کے سارے مالک یہی بن بیٹھے ہیں، اس طرح کمیشن، دلالی اور بے دریغہ میں کافی رقم جو ہندستانیوں کو ملنا چاہیے تھی بیرونی لوگوں کی جیب میں چلی جاتی ہے، پھر چونکہ ان کو بیرونی کاروبار کا اجارہ حاصل ہے لہذا یہ ہندستانی تاجروں کے مفاد کو زیادہ پیش نظر نہیں رکھتے، کیونکہ یہ سمجھتے ہیں کہ تاجر مجبور ہیں کہ انھی کے ذریعے سے اپنے کام چلائیں، نیز ان پر حکومت کا کوئی اقتدار نہ تھا اور وہ ان کی ہندستانیوں کے مفاد کے خلاف حرکتوں کو روک نہ سکتی تھی، حالانکہ دوسرے ملکوں میں خارجی بینکوں پر بندشیں اور پابندیاں لگائی جاتی ہیں، چنانچہ ہندستانی بھی ان کو بعض پابندیوں کے تحت لانا چاہتے تھے چنانچہ بینکنگ انکویری کمیٹی کے سامنے بھی یہ مسئلہ پیش کیا گیا۔ اور مندرجہ ذیل پابندیاں عاید کرنے کی خواہش کی گئی۔

۱۔ کسی مبادلہ بینک کو اس وقت تک امانتیں رکھنے کا حق نہ ہو جب تک کہ وہ ہندستان میں اپنی باقاعدہ رجسٹری نہ کرائے، اور اس کا سرمایہ رُپڑ کی شکل میں نہ ہو۔

۲۔ اگر یہ بینک ہندستان میں رجسٹری نہ کرائیں تو کم از کم انھیں بغیر لائسنس لیے تجارتی کاروبار نہ کرنے دیا جائے

۳۔ یہ بینک اپنے ہندستانی کاروبار کے متعلق ماہوار حسابی سختے شائع کیا کریں۔

۴۔ بینکوں کی ایک مقامی مشاورتی کمیٹی ہو جس کے آدمے ممبر ہندستانی ہوں۔

ان میں سے کسی تجویز پر عمل تو نہیں کیا گیا، لیکن ریزرو بینک قائم ہو جانے سے یہ ایک طرح مرکزی بینک کے تحت آگئے ہیں اور ان کی وہ پہلے کی سی آزادی ختم ہو گئی ہے۔

ہندستانی مشترک سرمایہ دار بینکوں سے مراد صرف وہ بینک ہیں جو ہندستان میں قائم ہوئے، اور جن کے صدر دفتر بھی یہیں ہیں، زیادہ تر ان میں ہندستانیوں کا رُپیہ ہے اور ان کا انتظام بھی ہندستانیوں کے ہاتھوں میں ہے، اگرچہ ابتدا میں یہ بینک بھی بدیسی سرمائے دار اور یورپین انتظام کے تحت قائم ہوئے، اس قسم کا سب سے پہلا بینک ”بینک آف انڈیا“ تھا، اس کے بعد ہی ۱۹۰۵ء میں الہ آباد بینک قائم ہوا جو اب تک جاری ہے۔ ۱۹۰۵ء تک اس قسم کے سات بینک جاری تھے، الائنس بینک آف انڈیا میں قائم ہوا اور اس نے خوب ترقی کی، ہندستان کے مختلف شہروں میں اس کے گیارہ دفتر اور ۳۹ شاخیں تھیں، وقتاً فوقتاً اس میں دوسرے بینک ضم ہوتے رہے، مگر ۱۹۲۳ء میں اس کا دلوالا بھل گیا، انیسویں صدی تک ان بینکوں نے کچھ زیادہ ترقی نہ کی مگر بیسویں صدی کے ابتدائی چند سالوں میں ان کی رفتار میں حیرت انگیز ترقی ہوئی۔ ۱۹۰۵ء کی سودیشی تحریک کی وجہ سے ملک میں نئے نئے بینک قائم ہوئے، بینک آف انڈیا، بینک آف برما، بمبئی بینکنگ کمپنی اور انڈین ایسی بینک اسی زمانے کی پیداوار ہیں۔ مگر

ان میں اکثر بینکوں کا کاروبار سطحی اور تخمین پر مبنی تھا، اس لیے جب ۱۹۱۳ء میں پیوپلز بینک کا دیوالا نکلا تو بینکوں پر ایک عام یوریش شروع ہو گئی چنانچہ ایک سال کے اندر ۵۵ بینکوں کا دیوالا نکلا، جنگ عظیم نے بینکوں کی مصیبت میں اور اضافہ کر دیا چنانچہ ۱۹۱۳ء تک کے دس سال ان کے لیے بڑی سخت تباہی کے رہے اور اس زمانے میں ۱۲۱ بینک دیوالا ہوئے، جن کا مجموعی سرمایہ پونے سات کروڑ کے قریب تھا۔

ان بینکوں کی ناکامی کے مختلف اسباب تھے، مثلاً ایک تو ان بینکوں نے اپنی کل امانتوں کے مقابلے میں ذخیرہ محفوظ کی مقدار کم رکھی، دوسرے اپنے رُپے کو ایسے کاروبار میں پھنسا دیا جہاں سے رقم بروقت وصول نہ ہو سکی، تیسرے عوام کو امانتیں رکھنے کی ترغیب دینے کے لیے شرح سود زیادہ رکھی، چوتھے حسابات کی جانچ کی طرف سے لاپرواہی اختیار کی گئی، پانچویں دیانت دار مینجروں اور تجربے کار ناظموں کی کمی تھی، چھٹے حصے داروں کو دھوکے میں رکھا جاتا تھا اور بعض وقت منافع اصل میں سے تقسیم کر دیا جاتا تھا، خود ناظم ان بینکوں سے قرض لے لیا کرتے تھے اور اپنے عزیزوں اور دوستوں کو بھی ناکافی ضمانت پر قرض دلا دیتے تھے، اس کے علاوہ حکومت اور نیم سرکاری اداروں کا عدم تعاون بھی ان کی ناکامی کا ایک سبب تھا، یہ بینک حکومت پر الزام لگانے میں کہ اس نے آڑے وقت میں ان کی مدد نہ کی، خاص طور پر بریڈنسی بینک اور بعد میں امپیریل بینک ان کو ضمانت پر بھی قرض نہ دیتے تھے، چنانچہ

ٹوٹے ہوئے بینکوں میں بعض ایسے بھی تھے جن کی مالی حالت اچھی تھی لیکن ان کے پاس نقد رقم نہ تھی، اور اگر اس وقت جب کہ امانت داروں کی ان پر یورش ہو رہی تھی ان کی مدد نقد ٹرپڑ سے کر دی جاتی تو یہ دیوالے سے بچ سکتے تھے۔

ان بینکوں کی ناکامی کو بعض لوگ ہندوستانیوں کی غیر صلاحیت اور انتظامی قابلیت کی کمی سے تعبیر کرتے ہیں مگر ماہر اس اعتراض کو تسلیم نہیں کرتے۔ ان کا کہنا ہے کہ مشترک سرمائے دار بینکوں کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ ابتدا میں ناکام ہوتے ہیں، چنانچہ خود انھوں نے ہندوستان اور امریکہ کی متحدہ ریاستوں میں جب یہ بینک قائم ہوئے تو بہت سے ناکام رہے، نیز یہ اعتراض اس لیے بھی کچھ زیادہ قوی نہیں کہ صرف ہندوستانی انتظام والے بینک ہی ناکام نہیں رہے، بلکہ ان بینکوں کا دیوالہ پہلے نکلا جو یورپین ہاتھوں میں تھے اور ان کے اثر سے ہندوستانی بینکوں کو نقصان پہنچا۔ بہر حال ان بینکوں کے ٹوٹنے کی وجہ سے مالی بریٹانی بہت زیادہ ہوئی، لیکن ان سے بہت سے سبق بھی حاصل ہوئے اور حکومت ہند نے صوبائی حکومتوں کے مشوروں سے ان پر چند پابندیاں لگا دی ہیں، مثلاً حکومت ہر بینک کے لیے ایک مقدار مقرر کر دیتی ہے جو حصوں کے ذریعے سے جمع کی جاتی ہے، نیز ایک مدت بھی مقرر کر دیتی ہے، جس کے اندر اندر یہ رقم جمع ہو جانا چاہیے، اس کے علاوہ منافع اس وقت تک بانٹنے کی اجازت نہیں دیتی جب تک کہ کافی رقم سرمایہ محفوظ میں جمع نہ ہو جائے، اور ایسے کاروبار میں رپیہ نہیں لگانے دیتی جہاں سے بروقت اور آسانی سے رقم وصول نہ ہو سکتی

ہو، اور اب تو یہ سب بینک بھی ریزرو بینک کے ماتحت آگئے ہیں اور ان کو قرض دینا اور ان کی مدد کرنا اس کے فرائض میں داخل کر کے ریزرو بینک کے قائم ہو جانے کے بعد ہندوستانی بینک دو قسموں میں تقسیم ہو گئے ہیں، ایک جدولی بینک یعنی جن کا سرمایہ پانچ لاکھ یا اس سے زائد ہو اور جو ریزرو بینک کے رکن ہیں، ۱۹۴۱ء میں ہندوستان میں ایسے بینک ۵۹ اور برما میں ۵ تھے، یعنی کل جدولی بینک ۶۴ تھے، جس میں سے ۲۰ مبادلہ بینک تھے اور باقی ہندوستانی مشترک سرمائے کے بینک، ہندوستانی بینکوں میں پانچ بڑے بینک سنٹرل بینک آف انڈیا، بینک آف انڈیا، الہ آباد بینک، بینک آف بڑودہ اور پنجاب نیشنل بینک ہیں جن میں سے ہر ایک کی امانتوں کی مقدار پانچ کروڑ سے زائد ہو، باقی بینکوں کا سرمایہ پانچ لاکھ یا اس سے زائد ہو۔

وہ بینک جو ریزرو بینک کے رکن نہیں ہیں غیر جدولی بینک کہلاتے ہیں، ان کو پھر دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک وہ جن کا سرمایہ پچاس ہزار یا اس سے زائد ہو اور دوسرے وہ جن کا سرمایہ اس سے کم ہو، ۳۱ دسمبر ۱۹۴۰ء کو برطانوی ہند میں پہلے قسم کے، ۲۵ اور دوسری قسم کے، ۳۴ بینک تھے جن کی تفصیل یہ ہے:-

| | |
|-----|----------------------------------|
| ۳۴ | پچاس ہزار سے کم |
| ۱۳۲ | پچاس ہزار اور ایک لاکھ کے درمیان |
| ۷ | ایک لاکھ سے دو لاکھ |
| ۲۵ | دو لاکھ سے چار لاکھ |
| ۱۳ | چار لاکھ سے زائد |

۱۹۴۰ء
بینکوں کی

۳۰ جون ۱۹۴۱ء کو ۳۰ غیر جدولی بینک ایسے تھے جو ریزرو بینک کی مشاورتی فہرست میں داخل تھے اور جن کو صوبائی حکومتوں کے مشورے کے بعد جدول میں شامل کر لیا جاسکے گا۔

۱۹۴۱ء کی ریزرو بینک کی رپورٹ میں اس کا بھی ذکر ہے کہ گزشتہ سالوں میں ہندوستان کے اندر مشترک سرمائے کے کس قدر بینک ناکام ہوئے چنانچہ ان کی صوبے داری تفصیل یہ ہے :-

| صوبہ یا ریاست | ۱۹۳۹ء | ۱۹۴۰ء |
|---------------|-------|-------|
| مدراں | ۳۷ | ۱۸ |
| بمبئی | ۱۰ | ۳ |
| بنگال | ۷ | ۱۱ |
| پنجاب | ۴ | ۶ |
| ٹرانسکوٹ | ۵ | ۱۴ |
| کوچین | ۱۴ | ۴ |

سنہ کے اعداد تسلی بخش ہیں کیونکہ جنگ کے غیر یقینی اور پریشان کن حالات، بازاروں میں قیمتوں کے اتار چڑھاؤ اور بازاری افواہوں کے باوجود اس سال گزشتہ سال کے مقابلے میں بینک کم ناکام ہوئے۔

امپیریل بینک، مبادلہ بینک اور مشترک سرمائے والے بینک ہندوستانی صنعتوں کی مالی امداد نہیں کرتے کیونکہ یہ سب بینک تھوڑی مدت کے لیے قرض دیتے ہیں اور کافی مضبوط ضمانتیں مانگتے ہیں اور سوائے سرکاری تمسکات کے اور کسی چیز کی ضمانت قبول نہیں

کرتے، کیونکہ یہ بینک صرف اسی قسم کے کاروبار میں رُپیہ لگاتے ہیں جہاں سے ضرورت کے وقت فوراً رقم وصول کر لی جائے۔ مگر ہندوستان کے کارخانوں اور صنعتوں کو بھی مالی امداد کی سخت ضرورت ہے، اور یہاں ایسے صنعتی بینکوں کی بڑی ضرورت ہے جو ان کی امداد کر سکیں، ۱۹۱۵ء میں صنعتی کمیشن نے بھی ایسے بینکوں کے قیام کی سفارش کی تھی چنانچہ اسی سال بمبئی میں ٹائٹنڈ سٹریل بینک اور کلکتے میں کرناٹی انڈسٹریل بینک قائم ہوا لیکن یہ دونوں بہت جلد ناکام ہو گئے، پہلا بینک ۱۹۲۳ء میں سنٹرل بینک آف انڈیا میں ضم ہو کر تجارتی بینک بن گیا، اور دوسرے بینک کو بہت جلد مالی مشکلوں کی وجہ سے کاروبار بند کرنا پڑا، اب ہندوستان میں کوئی خالص صنعتی بینک نہیں ہے مگر بعض تجارتی بینک چھوٹے پیمانے پر صنعتوں کی مدد کرنے لگے ہیں۔

ہندوستان میں زمینوں کی ترقی اور زراعت کی امداد کے لیے زرعی بینکوں کی سخت ضرورت ہے، بات یہ ہے کہ ہر پیشے کی طرح کاشتکاروں اور زمینداروں کو بھی قرض کی ضرورت ہوتی ہے، اور یہ لوگ ہاجنوں اور ساہوکاروں کے پاس اپنی اپنی زمینیں یا فصلیں رہن رکھ کر قرض لیتے ہیں، مگر شرح سود کی زیادتی اور ساہوکاروں کی چالاکیوں سے ان کو بڑا نقصان ہوتا ہے اور ان کی زمینیں ان کے قبضے سے نکل نکل کر ساہوکاروں کے پاس جانے لگی ہیں، اور بہت سے کاشتکار زرعی مزدور بن گئے ہیں اس خرابی کو دور کرنے کے لیے ملک میں ایسے بینکوں کی ضرورت ہے جو زمین یا فصلوں کی ضمانت پر کاشتکاروں

کو قرض دے سکیں، ایسے بینکوں کو زمین گردی بینک کہا جاتا ہے۔
 ہندستان میں سب سے پہلے سن ۱۹۲۷ء میں پنجاب کے ضلع جھنگ
 میں ایازرعی بینک قائم ہوا، اور اب پنجاب میں بارہ بینک قائم
 ہیں، ان میں سے دو اپنے سارے ضلع میں اور باقی صرف اپنی اپنی
 تحصیلوں میں کام کرتے ہیں، بنگال میں دو، آسام میں پانچ اور
 مدراس میں ایسے ۳۸ بینک قائم ہیں۔

دسواں باب

دوسرے مالی ادارے

آج کل کسی ملک میں صرف بینک ہی لین دین کا کاروبار نہیں کرتے بلکہ دوسرے ادارے بھی یہ کام کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً ہندستان میں انجمن ہائے امدادِ باہمی، ڈاک خانے کا شعبہ سیونگ بینک، حساب گھر، اشاک انجینج، بیمہ کمپنیاں یہ کاروبار کرتی ہیں، اس باب میں انہی کا ذکر مختصر طور پر علیحدہ علیحدہ کیا جائے گا۔

ہندستان کی آبادی کا بڑا حصہ زراعت میں مصروف ہے، زراعت پیشہ چھوٹے چھوٹے دیہات میں رہتے ہیں اور چھوٹے پیمانے پر کھیتی باڑی کا کام کرتے ہیں، اور اپنے اس کام کے لیے ان کو قرض کی ضرورت محسوس ہوتی رہتی ہے۔ عام طور پر ان کو ساہوکار اور مہاجن قرض دیتے ہیں جو ان سے نہ صرف بہت زیادہ سود وصول کرتے ہیں بلکہ اور طرح طرح کی ترکیبوں سے کاشتکاروں کو نقصان پہنچاتے ہیں، نیز اکثر ان کی زمینوں پر بھی قابض ہو جاتے ہیں، چنانچہ سرکار کاشتکاروں کی ان مصیبتوں کو دور کرنے کے لیے عرصے سے سوچ بچار کر رہی تھی اور اس نے ایک طرف تو قانون کے ذریعے مہاجن کی دست درازیوں کو روکا اور دوسری طرف ان کے لیے سرمایہ ہتیا کرنے کا انتظام کیا، اور سن ۱۹۱۱ء میں قرضے کی امدادِ باہمی دالی

انجمنوں کا قانون پاس کیا، اس قانون کی رو سے ہر گاؤں میں کم سے کم دس آدمی مل کر ایک انجمن بنا سکتے ہیں، اور یہ اپنے ممبروں سے اپنی ضرورتوں کے لیے رُپیہ فراہم کرتے ہیں، اور جن ممبروں کو ضرورت ہوتی ہے ان کو قرض دیتے ہیں، سرکار بھی ان کی امداد کرتی ہے۔ ۱۹۱۲ء میں اس قانون میں ترمیم کی گئی اور قرضے کے علاوہ دوسری قسم کی انجمنیں بھی بنانے کی اجازت دی گئی، مثلاً تھوک فروشی کے حساب سے اپنے ممبروں کی ضرورتوں کے لیے سامان خریدنا، اپنے ممبروں کے لیے بیج، کھاد ذرائع آئے، مویشی اور دوسری چیزوں کی فراہمی کا انتظام کرنا، اب یہ انجمنیں صرف زراعت پیشہ لوگوں کے لیے مخصوص نہیں رہیں بلکہ دوسرے پیشوں کے لوگ بھی اپنی انجمنیں بنانے لگے ہیں، آج کل ایسی انجمنیں کارخانوں کے مزدوروں، بڑے بڑے دفتروں کے چپراسیوں اور نشیوں اور اسی قسم کی دوسری جماعتوں میں بھی نظر آتی ہیں، ان انجمنوں کی چار بڑی قسمیں ہیں، ایک جو صرف زراعت کے لیے نقد رُپیہ قرض دیتی ہیں۔ دوسری جو زراعت کا سامان اور دوسری ضرورتوں کا انتظام کرتی ہیں۔ تیسری جو زراعت کے علاوہ دوسرے کاموں کے لیے نقد رُپیہ قرض دیتی ہیں، اور چوتھی وہ نقد رُپیہ دینے کی بجائے سامان اور چیزیں فراہم کرتی ہیں، جیسے کپڑا بننے والوں کو کرگھا، دھاگھا، رنگ وغیرہ ہیا کرنا، ان انجمنوں کی نگرانی کے لیے یونینیں قائم ہوتی ہیں، جو اپنے حلقے کی ساری انجمنوں کی نگرانی کے علاوہ ان کی ضروریات اور ان کے لیے رُپیہ کی فراہمی کا انتظام کرتی ہیں،

یونینوں پر مرکزی بینک ہوتے ہیں، اور اس سارے نظام کو مرکز پر لانے کے لیے ایک صوبے واری بینک ہوتا ہے۔

۱۹۲۹ء کی سر د بازاری کے زمانے میں اس تحریک کو بہت نقصان پہنچا اور معلوم ہوا کہ اس کی بنیاد میں بعض کمزوریاں ہیں چنانچہ اکثر جگہ بہت سی انجمنیں ناکام ہوئیں، اگرچہ یہ صحیح ہے کہ ان انجمنوں سے زراعت پیشہ لوگوں کو وہ فائدہ نہیں پہنچا جس کی توقع تھی اور اسی وجہ سے زرعی بینکوں کی ضرورت محسوس کی گئی تاکہ کاشتکاروں کے لیے طویل عرصے کے قرضے کا انتظام ہو سکے، پھر بھی یہ تحریک ہندوستان میں کافی پھیلی ہوئی ہے اور ^{۲۰۰۰}۳۰۰۰ کے ذیل کے اعداد سے اس کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔

| | |
|-----|--|
| ۱۰ | صوبے واری بینک |
| ۵۹۹ | مرکزی بینک |
| ۱۳۸ | برطانوی ہند اور دیسی ریاستوں کی ہر قسم کی جملہ انجمنیں |

| | |
|---------------|--------------------|
| ۴۸ لاکھ | کل ممبران کی تعداد |
| ایک ارب روپیہ | کل قرضے کی مقدار |

بینکوں میں جو کچھ جمع رہتا ہے وہ لوگوں ہی کی رقمیں ہیں مگر بینک سے ہر آدمی کا روبرو نہیں کر سکتا، اس کے لیے ایک تو تھوڑی بہت تعلیم اور واقفیت کی ضرورت ہے، دوسرے وہاں بہت چھوٹی یا معمولی رقم جمع نہیں کی جاسکتی مگر ہندوستان جیسے ملک میں جہاں تعلیم کا اوسط بہت کم ہے، لوگوں کی واقفیت اور عام معلومات

کا میعار بہت ادنیٰ ہو جہاں آمدنی بہت کم ہو، اور رُپیہ بچانے کے موقعے زیادہ نہ ہوں وہاں بینک عوام کے لیے زیادہ مفید نہیں ہو سکتے بلکہ چھوٹی آمدنی والوں اور معمولی لوگوں کے لیے ایسے اداروں کی ضرورت ہے جو ان کی رقمیں محفوظ کرنے کی ذمے داری قبول کر لیں، اور اس کا کچھ معاوضہ بھی دے سکیں اور ساتھ ہی ساتھ چھوٹی سی چھوٹی رقم کا کاروبار کر سکیں اور جہاں رُپیہ جمع کرنے اور نکالنے میں بہت آسانی ہو، اس کمی کو پورا کرنے کے لیے ہندستان کے ڈاک خانوں میں سیونگ بینک کی شاخیں کھولی گئیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب ۱۹۳۲ء میں کاروبار پر ایک عام تباہی آئی اور اکثر بینکوں کا دیوالیہ نکلا تو عوام بینکوں سے بددل ہو گئے اور سرکاری ملازموں اور عوام کو اپنی رقمیں محفوظ رکھنے کے لیے کسی معتبر جگہ کی ضرورت محسوس ہوئی، چنانچہ اس مشکل کو دور کرنے کے لیے ۱۹۳۳ء میں کلکتے میں اور ۱۹۳۴ء میں بمبئی اور مدراس کی حکومتوں نے اپنے اپنے سیونگ بینک قائم کیے اور ان کی کامیابی دیکھ کر ۱۹۳۵ء میں ہندستان کے اکثر ضلعوں میں ایسے بینک قائم کیے گئے، پھر ۱۹۳۶ء میں ڈاک خانوں کے اندر سیونگ بینک کی شاخیں کھولی گئیں، اور جب ان کا کاروبار اطمینان بخش طریقے پر چلنے لگا تو پہلے ۱۹۳۷ء میں ضلعوں کے بینک اور ۱۹۳۶ء میں پریسڈینسیوں کے بینک انہی میں ضم کر دیے گئے اور اس طرح یہ سارا کاروبار ڈاک خانوں کے انتظام میں آ گیا۔

جب سے برابر لوگ یہاں اپنی رقمیں جمع کرتے ہیں، البتہ

لڑائیوں کے زمانے میں جب بے اعتباری پھیلتی ہے تو ان رقموں میں کمی ہونے لگتی ہے، مثلاً گزشتہ جنگ کے زمانے میں یہی ہوا ۱۹۱۳ء میں یہاں ۲۳ کروڑ روپیہ جمع تھا، مگر دوسرے سال اس کی تعداد کم رہ گئی، مگر بہت جلد اطمینان بحال ہو گیا اور امانتوں کی تعداد میں بڑا اضافہ ہوتا رہا، یہاں تک کہ ۱۹۳۵ء میں برما کو الگ کر کے صرف ہندستان میں ۸۱ کروڑ ۹۴ لاکھ روپیہ بطور امانت جمع تھا مگر اس جنگ کے شروع ہوتے ہی امانتوں کی تعداد پھر گھٹنے لگی چنانچہ ۱۹۴۰ء کے دو مہینوں یعنی مئی اور جون میں علی الترتیب سات اور دس کروڑ روپیہ یہاں سے نکل گیا، اگرچہ اس کے بعد اس رفتار میں کمی ہو گئی مگر مجموعی امانتوں کی تعداد گھٹ گئی ہے، چنانچہ ۱۹۴۶ء میں یہاں ۵۹ کروڑ ۷۷ لاکھ روپیہ جمع تھا۔

ڈاک خانے میں ہر شخص اپنا حساب کھول سکتا ہے، مگر کسی شخص کا ایک سے زیادہ کھاتا نہیں ہو سکتا، رقم جمع کرنے والے کو ایک کتاب مل جاتی ہے، جس میں اس کا حساب درج رہتا ہے، اس کی کوئی فیس نہیں لی جاتی، ہر وقت رقم جمع کرنے اور ہفتے میں ایک مرتبہ رقم واپس لینے کی اجازت ہے، رقم پر ایک مقررہ شرح سے سود ملتا ہے آج کل یہ شرح $1\frac{1}{4}$ روپیہ فی سینکڑہ ہے، یہاں کسی آدمی کا حساب پانچ ہزار سے زیادہ نہیں ہو سکتا، یہ شرط اس لیے رکھی گئی ہے کہ ڈاک خانہ یہ کام چھوٹی رقموں کے لیے کرتا ہے، اگر وہ بڑی بڑی رقمیں بھی جمع کرنے لگے تو ملک کے بینکوں پر اثر پڑے گا، ڈاک خانہ، بینک کے مقابلے میں بہت زیادہ قابل اعتماد ہوتا ہے، کیونکہ ڈاک خانے

کو حکومت کی پوری سرپرستی حاصل ہوتی ہے اور جب تک حکومت میں کوئی گڑبڑ نہ ہو اس وقت تک ڈاک خانے کا دیوالا نہیں نکل سکتا اور اسی بڑے ہونے اعتماد کی وجہ سے ڈاک خانے کی شرح سود عام طور پر بینکوں سے کم ہوتی ہے۔ مثلاً آج کل امانتوں پر سود دینے والے بینکوں میں سب سے بڑے اور مستند بینک یعنی امپیریل بینک کی شرح سود ۳ فی صدی ہے اور بعض بینکوں کی شرح تو دس یا بارہ فی صدی تک ہے مگر ڈاک خانے کی شرح صرف ۱ ۱/۲ فی صدی ہے، وجہ صاف ظاہر ہے کہ حکومت ڈاک خانے کو بینکوں کے مقابلے میں نہیں لانا چاہتی۔

پہلے ڈاک خانے میں حساب کھولنے میں بڑی آسانی تھی یعنی یہاں کم سے کم چار آنے کی رقم سے کھانا کھل سکتا تھا اور یہی رقم ہر وقت جمع کی جاسکتی تھی یا واپس نکالی جاسکتی تھی، مگر پہلی اگست ۱۹۴۷ء سے اس انتظام میں تھوڑی سی تبدیلی ہو گئی ہے، یعنی اب کم سے کم دو روپے کی رقم ڈاک خانے میں جمع ہو سکتی ہے اور اتنی ہی رقم نکالی جاسکتی ہے، اگرچہ یہ تبدیلی اس وجہ سے ہوئی کہ ڈاک خانے کو چار آنے جیسی رقموں کا حساب رکھنے میں بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا مگر اس کی وجہ سے وہ غریب اور کم آمدنی والے جو روزانہ یا تیسرے چوتھے روز چار آنے کی رقم بچا کر ڈاک خانے میں جمع کر دیا کرتے تھے اب ایسا نہیں کر سکتے، اور دو روپے تک اپنے پاس جمع کر کے داخل کرنا ان کے لیے بہت مشکل ہو جاتا ہے، جیسا کہ ابھی کہا گیا ڈاک خانے بڑی رقموں کے لیے نہیں ہے، پھر اپنے قیام سے اب تک چار آنے کا حساب رکھتا چلا آ رہا ہے، اس لیے وہ اس کا خوب عادی

ہو چکا ہے، اس لیے ضرورت ہے کہ پُرانے طریقے کو پھر اختیار کیا جائے۔
 امانتوں کے علاوہ ڈاک خانوں میں اور بھی کاروبار ہوتے
 ہیں، ان میں سے ایک پوسٹ آفس سٹیفنٹ ہیں، ان کا آغاز
 ۱۹۱۴ء سے ہوا، یہ پانچ سال کے بعد سود کے ساتھ ادا کیے جاتے
 ہیں، مگر ان کو درمیان میں بھی بھنایا جاسکتا ہے، ان پر ۲۱ فی صدی
 سود در سود ملتا ہے اور یہ محصول آمدنی سے مستثنیٰ ہیں، ایک سٹیفنٹ
 کی قیمت آٹھ رُپئی تیرہ آنے یا ۸۸ رُپئی دو آنے ہوتی ہے جن کے سال
 میں دس یا سو رُپئی ہو جاتے ہیں، ان کی میعاد گزرنے کے بعد ان
 پر سود نہیں ملتا، اور ان کی تجدید کرنا پڑتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے
 کہ میعاد کے اندر تو صرف تھوڑے سے سٹیفنٹ بھانے کے لیے
 آتے ہیں اور باقی رقم ڈاک خانے کے کاروبار میں لگی رہتی ہے مگر میعاد
 کے بعد ڈاک خانے کو تمام سٹیفنٹوں کی رقم نقد رکھنا پڑتی ہے اور چونکہ
 یہ اس کے کسی کام نہیں آتی اس لیے وہ اس پر سود نہیں دیتا، ۱۹۳۶ء
 میں ان میں ۶۴ کروڑ ۴۰ لاکھ رُپیہ لگا ہوا تھا، مگر ۱۹۴۰ء میں
 اس کی تعداد ۴۶ کروڑ ۹۸ لاکھ رہ گئی، کمی کی ایک وجہ تو جنگ کی
 عام بے اطمینانی اور بے چینی تھی اور دوسرے جون ۱۹۴۰ء میں
 ڈاک خانے نے دس سالہ ڈیفینس سٹیفنٹ جاری کیے اور اس طرح
 ادھر کی کچھ رقمیں ادھر منتقل ہو گئیں، ڈیفینس سٹیفنٹ دس ہجرت
 سو، پانسو اور ہزار رُپئی کے ہوتے ہیں، ان پر ۳۱ فی صدی سود
 در سود بلا محصول آمدنی کے ملتا ہے، مگر کوئی شخص پانچ ہزار سے
 زائد رقم کے یہ سٹیفنٹ نہیں خرید سکتا، ۳۱ مارچ ۱۹۴۱ء تک

دو کروڑ ۴۱ لاکھ کے سرٹیفکٹ فروخت ہوئے ، اور چونکہ ان کو درمیان میں بھنایا جاسکتا ہے ، لہذا ۱۲ لاکھ روپے کے بھالیے گئے اور ۲ کروڑ ۲۹ لاکھ روپیہ ڈاک خانوں میں محفوظ رہا۔ غریب آدمیوں کے لیے یہ سہولت رکھی گئی ہے کہ وہ چار آنے کا ایک ٹکٹ خرید کر اس کتاب پر چیک لیں جو اسی غرض سے ڈاک خانہ بلا قیمت ہیا کرتا ہے اور جب چالیں ٹکٹ ہونگا تو اس کتاب کے بدلے ان کو دس روپے والا ایک سرٹیفکٹ مل سکتا ہے۔

عوام کو جنگ کے اخراجات میں حصہ لینے کی خاطر پہلی اپریل ۱۹۴۱ء سے ڈاک خانے نے ”ڈیفنس سیونگ بینک“ کے نام سے ایک اور حساب کھولا ہے ، اس میں لوگ اپنی رقمیں جمع کرا سکتے ہیں۔ مگر یہاں سے درمیان میں رقم واپس نہیں لی جاسکتی ، بلکہ یہ رقم جنگ ختم ہونے کے ایک سال بعد واپس لی جاسکے گی ، اس پر $\frac{1}{4}$ فی صدی سود ملتا ہے جو ڈاک خانے کی امانتوں کی شرح سے ایک فی صدی زیادہ ہے ، چونکہ ابھی سال ختم نہیں ہوا اس لیے ہمیں معلوم کہ اس میں کتنی رقم لگی ہوئی ہے۔

بڑے بڑے شہروں میں مختلف بینک یا ان کی شاخیں ہوتی ہیں ، اور ہر شخص اپنی سہولت اور خیال کے تحت آزاد ہے کہ جس بینک سے چاہے کاروبار کرے ، اب اگر احمد کا حساب ایک بینک میں ہے اور اُسے کریم کو کچھ رقم دینا ہے ، مگر کریم کا حساب ایک دوسرے بینک میں ہے تو کریم ، احمد سے رقم کس طرح وصول کرے گا ؟ اب ہو گا یہ کہ احمد اپنے بینک کے نام چیک لکھ کر کریم کو دے دے گا اور کریم اس چیک کو احمد کے بینک میں لے جانے کے بجائے خود اپنے بینک کے

پاس روانہ کر دے گا، اور کزیم کا بینک یہ رقم احمد کے بینک سے وصول کر کے کریم کے حساب میں جمع کر دے گا۔

نظا ہر یہ عمل بہت پیچیدہ معلوم ہوتا ہے مگر ”حساب گھر“ کے توسط سے یہ فنکشن بالکل آسان ہو جاتی ہے، جس طرح بینک مختلف لوگوں کو ایک مرکز پر لاتا ہے، اسی طرح ”حساب گھر“ مختلف بینکوں کو ایک مرکز پر لے آتا ہے، ہوتا ہے کہ ہر اس شہر میں جہاں مختلف بینک ہوتے ہیں وہاں ایک حساب گھر بھی ہوتا ہے اور ہر بینک کا حساب یہاں رہتا ہے، اب تمام بینکوں کے نمائندے روزانہ یا دوسرے تیسرے روز حساب گھر میں جمع ہوتے ہیں، اور اپنے ساتھ دوسرے بینکوں کے وہ چک لے جاتے ہیں جو اسی بینک کے گاہکوں کو دوسرے بینکوں سے وصول ہوئے ہیں، اب ایک کاغذ پر حساب کیا جاتا ہے اس میں ایک طرف وہ رقمیں لکھی جاتی ہیں جو اس بینک کو دوسروں سے وصول ہونا ہیں اور دوسری طرف وہ رقمیں ہوتی ہیں جو اس کو دوسروں کو ادا کرنا ہیں، پھر ہر بینک کی وصول ہونے والی رقموں میں سے ادا ہونے والی رقم گھٹا دی جاتی ہے۔ یا رقم زائد ہونے کی صورت میں جوڑ دی جاتی ہے، اب جس بینک کو کسی دوسرے بینک سے کچھ رقم وصول کرتا ہے تو حساب گھر مرکزی بینک کے نام اس رقم کا چیک لکھ کر دے دیتا ہے، اگر صورت برعکس ہے تو بینک کا نمائندہ حساب گھر کے حق میں چیک لکھ دیتا ہے، اب مرکزی بینک میں تمام بینکوں کے علاوہ حساب گھر کا بھی حساب رہتا ہے اور اس طرح بڑی آسانی سے سارا حساب کتاب طر ہو جاتا ہے، اور حساب گھر کا حساب روزانہ برابر رہتا ہے، یعنی

جتنی رقم وہ دوسروں کو ادا کرتا ہے، اتنی ہی رقم اس کو دوسروں سے وصول ہو جاتی ہے۔

ہندستان میں چونکہ ابھی بینکوں نے کافی ترقی نہیں کی اس لیے یہاں حساب گھر بھی بہت کم ہیں چنانچہ ہندستان اور برما میں کل آٹھ حساب گھر ہیں، ریزرو بینک کے قیام سے پہلے اپریل بینک کے توسط سے یہ کاروبار ہوتا تھا مگر اب ریزرو بینک بمبئی، دہلی، مدراس، رنگون، لاہور، کراچی کے حساب گھروں کی نگرانی کرتا ہے، کلکتے کا حساب گھر کلیئرنگ بینک ایسوسی ایشن کی جنرل کمیٹی کی نگرانی میں ہے اور کانپور کے حساب گھر کی نگرانی اپریل بینک کے ذمے ہے، اگرچہ ریزرو بینک کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ حساب گھروں کے قواعد مرتب کرے لیکن ریزرو بینک نے ابھی تک اس کی کوئی ضرورت نہیں سمجھی، اور سارے حساب گھر اپنے پرانے قاعدوں کے تحت اطمینان بخش طریقے پر کام کر رہے ہیں، گزشتہ چند سالوں کے اعداد سے ان کے کاروبار کا اندازہ ہو سکے گا۔

کلکتے بمبئی مدراس کراچی رنگون کانپور لاہور

۳۸-۳۹ لاکھ ۹۱ لاکھ ۳۱ لاکھ ۹۱ لاکھ ۳۲ لاکھ ۸۱ لاکھ ۱۱ لاکھ ۱۰ لاکھ

۳۹-۴۰ لاکھ ۱۱ لاکھ ۳۱ لاکھ ۹۱ لاکھ ۳۲ لاکھ ۸۱ لاکھ ۱۱ لاکھ ۱۰ لاکھ

۴۰-۴۱ لاکھ ۱۰ لاکھ ۳۱ لاکھ ۹۱ لاکھ ۳۲ لاکھ ۸۱ لاکھ ۱۱ لاکھ ۱۰ لاکھ

دہلی
۱۰ لاکھ ۳۱ لاکھ ۹۱ لاکھ ۳۲ لاکھ ۸۱ لاکھ ۱۱ لاکھ ۱۰ لاکھ

۳۹-۴۰ لاکھ ۳۱ لاکھ ۹۱ لاکھ ۳۲ لاکھ ۸۱ لاکھ ۱۱ لاکھ ۱۰ لاکھ

دہلی میزان

۱۹۴۰-۴۱ء ۲۸ کروڑ ۲۱ ارب ۴۸ کروڑ

۱۹۴۰-۴۱ء میں ان تمام حساب گھروں میں ایک کروڑ ساٹھ لاکھ سے زائد چک آئے جن کی مالیت $21\frac{1}{4}$ ارب رُپے کے قریب تھی اس سے پتا چلتا ہے کہ ہندوستان میں آہستہ آہستہ چکوں کا رواج بڑھ رہا ہے۔

آج کل جو بڑے بڑے کاروبار ہوتے ہیں وہ سب کسی ایک شخص کے سرمائے سے نہیں چلتے بلکہ مختلف لوگ چھوٹی چھوٹی رقمیں دے کر بڑے کاروبار کے حصے دار یا مالک ہو جاتے ہیں، مگر ان میں سے بعض حصے داروں کو اپنی ضرورتوں کے تحت رقموں کی دلہی کی ضرورت ہوتی ہے، یا وہ کسی دوسرے نفع بخش کاروبار میں اپنا رُپیہ لگانا چاہتے ہیں، لہذا ان کو اپنے حصے فروخت کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، اس کے علاوہ بعض لوگ صرف حصوں کی خرید و فروخت کا کاروبار ہی کرتے ہیں، یعنی جن حصوں کی قیمت بڑھنے والی ہوتی ہے ان کو خریدتے ہیں اور جن کی قیمت گرنے والی ہوتی ہے ان کو فروخت کر دیتے، پھر بہت سے نئے نئے آدمی معتبر کاروبار کے حصے خریدنے کی فکر میں رہتے ہیں، جن لوگوں کے ذریعے سے حصوں کی خرید و فروخت کی جاتی ہے ان کو دلال یا کمیشن ایجنٹ کہا جاتا ہے، اور جہاں یہ کاروبار ہوتا ہے وہ اسٹاک ایکسچینج کہلاتا ہے، ہندوستان میں ان کی بھی کمی ہے اور صرف ممبئی اور کلکتہ اور مدراس میں اسٹاک ایکسچینج قائم ہیں۔

ممبئی میں تقریباً ۵،۴۴ بڑے دلال اور کمیشن ایجنٹ ہیں جو ”بروکرس ہال“ میں جو ”نیشنل اینڈ بروکرس ایسوسی ایشن“ کی

جانب سے سلسلہ میں خرید گیا تھا، حصوں کی خرید و فروخت کا کاروبار کرتے ہیں، ان کا خاص کاروبار ان سرمایہ مشترک داے بینکوں یا تجارتی کمپنیوں کے حصوں کی خرید و فروخت ہے جن کا کاروبار صورتِ بلہبی میں ہوتا ہے، پہلے ہر دلال کو پانچ روپیہ داخلے کی فیس دینا پڑتی تھی مگر اب وہ سات ہزار ہو گئی ہے، یہاں کے ہر رکن کو ایک کارڈ ملتا ہے، اس کی بھی قیمت ہوتی ہے، سلسلہ میں ایک کارڈ کی قیمت چالیس ہزار تک پہنچ گئی تھی مگر آج کل اس کی قیمت ۲۲ ہزار ہے۔ اس کا رکن ہر ہندستانی نیز ایسا برطانوی باشندہ جو دس سال سے زائد عرصے سے صورتِ بلہبی میں رہتا ہو، ہو سکتا ہے، مگر یہ ضروری ہے کہ درخواست دینے والے کو اسی وقت رکن بنایا جاسکتا ہے کہ جب $\frac{1}{4}$ ارکان اس کی حمایت میں ہوں۔

بہت عرصے تک کھلتے کا حصوں کا بازار کھلے میدان میں کاروبار کرتا رہا اور نہ یہ کسی قانون اور قواعد کا پابند تھا۔ سلسلہ ۱۹۰۰ء میں ایک انجمن بنی اور کاروبار کے قواعد بنائے گئے، سلسلہ میں یہ ایک محدود کمپنی میں تبدیل ہو گئی، جس کا سرمایہ تین لاکھ روپیہ مقرر ہوا جو ایک ہزار کے حصوں میں تقسیم کیا گیا، اس کے ۶۰۰ ارکان ہیں، ہر رکن کو ایک حصہ خریدنا لازمی ہے، اب اس کی ایک بڑی خوبصورت عمارت بن گئی ہے، یہ جوٹ کے کارخانوں، کونلے اور چائے کی کمپنیوں، ریلوں، کاغذ اور آٹے کی گرنیوں کے حصوں، بلڈریل اور پورٹ ٹرسٹ کے تمکات وغیرہ کا کاروبار کرتی ہے۔

جنوبی ہند میں دالوں اور ایجنٹوں کا صرف ایک ہی مستند

ادارہ ہی جو ”مدراس اشاک کسپینج“ کے نام سے موسوم ہے، جس کی رجسٹری سلسلہ میں ہوئی، اس کے ارکان دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک بانی رکن ”کہلاتے ہیں جن کو سچاس روپے فیس داخلہ دینا پڑتی ہے، اور دوسرے معمولی جن کو ایک ہزار فیس دینا ہوتی ہے، اس کے علاوہ ہر رکن کو پچیس روپے ماہوار چندہ دینا پڑتا ہے، اور پانچ ہزار یا اس سے زائد رقم یہاں بطور امانت رکھنا پڑتی ہے، یہاں اٹھارہ کمپنیوں کے حصوں کا کاروبار ہوتا ہے۔

جب کاروبار بڑے پیمانے پر ہوتا ہے تو اس کو مختلف خطروں مثلاً آگ، سیلاب اور چوری وغیرہ سے بچانے کی بھی ضرورت ہوتی ہے اس کے علاوہ قیمتی سامان کی بھی ٹوٹ پھوٹ سے حفاظت کی جاتی ہے اور اس کو جب ادھر سے ادھر بھیجا جاتا ہے تب بھی اس کی حفاظت کی ذمہ داری کرایہ جاتی ہے، خود انسان اپنی جان کا بیمہ کراتا ہے تاکہ بڑھاپے میں کچھ رقم اس کے کام آئے یا اس کی موت کے بعد اس کے پس ماندگان کو کچھ رقم مل جائے اور انھیں مالی پریشانیوں کا سنا نہ ہو، دوسرے ملکوں میں بیمے کی بڑی اہمیت ہے مگر ہندوستان میں ابھی اس کا کچھ زیادہ رواج نہیں ہوا، چنانچہ ہندوستان میں جان کا بیمہ کرنے والی کمپنیوں کی سلسلہ میں پندرہ لاکھ کے قریب پالیسیاں تھیں جن کی مجموعی رقم ۲ ارب ۸۰ لاکھ روپے تھی، اور قسطوں کی آمدنی ۱۴۴ کروڑ کے برابر تھی، ان میں ہندوستانی کمپنیوں کی پالیسیوں کی تعداد ۳۱ لاکھ، مجموعی رقم ۲ ارب ۸ کروڑ اور قسطوں کی آمدنی ۱۴۴ کروڑ روپے تھی۔ ۱۹۳۵ء تک ہندوستان میں بیمہ کرنے والی کمپنیوں

کی تعداد ۲۹۵ تھی، جن میں سے ۱۹، ہندستان میں قائم ہوئیں، ہندستانی کمپنیاں زیادہ تر جان کا بیمہ کرتی ہیں، چنانچہ ہندستانی کمپنیوں میں سے ۱۵۹ صرف جان کا بیمہ کرتی ہیں، ۱۸ جان کے بیمے کے ساتھ دوسرے بیمے بھی کرتی ہیں، ہندستانی کمپنیاں حسب ذیل صوبوں میں قائم ہیں:-

| | | | | | | | |
|------------|----|------------|----|------------|---|-------------|-----|
| صوبہ بمبئی | ۶۳ | پنجاب | ۲۰ | صوبہ متوسط | ۳ | آسام | ۱ |
| بنگال | ۵۲ | دہلی | ۱۲ | پہار | ۳ | جمیر مارواڑ | ۱ |
| مدراں | ۳۰ | متحدہ صوبے | ۹ | سندھ | ۲ | میزان | ۱۹۷ |

چند ہندستانی کمپنیاں ہندستان سے باہر بھی کاروبار کرتی ہیں مگر ان کا کاروبار صرف برما، لنکا، مشرقی افریقہ اور ملایا کی ریاستوں تک محدود ہے، اس بیرونی کاروبار کی کل مقدار ۱۷ کروڑ روپے کے قریب ہے۔

۱۹۲۹ء میں جان کے علاوہ دوسری قسم کے بیموں کی مجموعی مقدار ۳ کروڑ ۳۷ لاکھ روپے تھی جس میں ہندستان کا حصہ ایک کروڑ ۲ لاکھ روپے تھا، اس کاروبار کی تفصیل یہ ہے۔

| | | |
|-------------|-------------------------|-----------------------------|
| کاروبار | ہندستانی کمپنیوں کا حصہ | غیر ہندستانی کمپنیوں کا حصہ |
| آگ کا بیمہ | ۴۸ لاکھ | ایک کروڑ ۵ لاکھ |
| سمندری بیمہ | ۱۸ لاکھ | ۷۷ لاکھ |
| متفرق بیمے | ۲۶ لاکھ | ۵۳ لاکھ |
| میزان | ایک کروڑ ۲ لاکھ | ۲ کروڑ ۳۵ لاکھ |

گیارہواں باب

دہلی بنکار

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے ہندستان کی آبادی اور وسعت کو دیکھتے ہوئے یہاں بینک اور ان کی شاخیں بہت کم ہیں، مگر جس طرح آئے، دل، گڑ اور نمک کا کاروبار بڑے شہر سے لے کر چھوٹے گاؤں تک ہوتا ہے۔ اسی طرح رُپی کالین دین بھی ہر جگہ ہوتا ہے، فرق صرف یہ ہے کہ اگر شہروں اور بڑے قصبوں میں یہ کام بینک اور ان کی شاخیں کرتی ہیں تو دیہات میں ساہوکار، صراف، مارواڑی، بنیے، ہاجن یہ خدمت انجام دیتے ہیں، اگر اس وسیع دائرے میں ایک طرف حیدرآباد کا رگھوناتھ مل بینک اس کی رجسٹری نہیں ہوئی اور یہ ایک خانگی بینک ہے، ہی جس کی حیدرآباد اور سکندرآباد میں ایک ایک شاخ ہے اور جس کی ایجنسیاں ہندستان کے بڑے بڑے شہروں میں قائم ہیں اور جو ایسے تمام کام کرتا ہے جو ہمارے موجودہ رجسٹری شدہ بینک کرتے ہیں، تو دوسری طرف وہ معمولی بنیے ہیں جو کسی دور اُفتادہ گاؤں میں میلی سی دھوتی باندھے، میلے چکٹ گدوں پر بیٹھے تاگے سے بندھی ہوئی عینکیں لگاتے، کالی سیاہی کے قلمدان سامنے رکھے سرخ سرخ کتابوں پر لکھتے پڑھتے اور تازہ سیاہی پر ریت چھڑکتے نظر آتے ہیں ان خاکسار اور نیازمند انسانوں میں سے بعض

کا کاروبار لاکھوں تک پہنچ جاتا ہے، اور یہی دائرہ جب اور مختصر ہوتا ہے تو اس میں ذات پات کی تمیز ہی اٹھ جاتی ہے اور ہر مقام پر مختلف ذاتوں اور قوموں کے لوگ مصروف نظر آتے ہیں، مثلاً حیدرآباد میں چاؤش (عرب کے بدو) بہار، اڑیسہ میں ناگاس - صوبہ متحدہ میں گوشائیس، پنجاب اور دکن میں روہیلے، پٹھان اور کابلی راج پوتانے میں ملتانی، جنوبی ہند میں چیٹی (Chetties) آسام میں ریل کے سابق قلی (Ex-coolies) فوجی چھادنیوں میں پنشن خوار یہ کام کرتے دکھائی دیتے ہیں، بلکہ ایل، اسی بھجن تو یہاں تک لگتے ہیں کہ میرٹھ، مظفرنگر اور سہارن پور کے ضلعوں میں عورتوں کی بڑی تعداد اس پیشے میں مصروف نظر آتی ہے۔

اصل میں ان لوگوں کی ٹھیک ٹھیک تقسیم بہت مشکل ہے، آسانی کی خاطر اور ان کے کاروبار کو سمجھنے کے لیے ان کو حسب ذیل تین گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:-

- (۱) وہ لوگ جو قرض دینے کے علاوہ امانتیں بھی رکھتے ہیں، ہندویوں کا کاروبار کرتے ہیں، بلا ضمانت کم قرض دیتے ہیں ان کے مؤکل کچھ بڑھے لکھے اور سمجھ دار لوگ ہوتے ہیں ان کا کاروبار شہروں میں بھی ہوتا ہے اور ان کی شرح سود بھی بہت زیادہ نہیں ہوتی، ان کو دیسی بیکار کہا جاتا ہے
- (۲) وہ لوگ جو امانتیں بالکل نہیں رکھتے اور نہ ہندویوں کا کاروبار کرتے ہیں، پیداوار کاموں کے علاوہ ”صرف“ یعنی خرچ کے لیے زیادہ قرض دیتے ہیں، نقد رقم کے علاوہ غلہ بھی

قرض دیتے ہیں شرح سود زیادہ ہوتی ہے، ان کو مقامی اعتبار سے ساہوکار
 صراف، سیٹھ، ہاجن، بتیا اور ملتانی کہتے ہیں
 (۲) وہ لوگ جو صرف ”صرف“ یعنی خرچ ہی کے لیے قرض دیتے ہیں
 مثلاً کارخانوں اور گریوں کے مزدوروں، ریلوں کے قلیوں
 ادنیٰ ملازموں، یا چلہ فروشوں، خواہجے والوں، پھیری
 لگانے والوں، یا دوسرے معمولی کاروبار کرنے والوں کو ان کی
 روزمرہ ضرورتوں کے لیے قرض دیتے ہیں، ان کی رقمیں
 بہت چھوٹی اور معمولی ہوتی ہیں مگر شرح سود بہت زیادہ
 ہوتی ہے، اور یہ سود بجائے سینکڑے اور سالانہ کے فی رُپیہ

۱۔ معمولی شرح سود کی زیادتی کا ایک سبب یہ بھی ہو کہ یہ خالص سود نہیں
 ہے بلکہ اس میں ”اجرت“ بھی شامل ہے، پھیری والوں، چلہ فروشوں وغیرہ
 کو قرض دینے والے اگر آرام سے اپنے گھر بیٹھے رہیں تو ان کا بہت کچھ
 اصل ڈوب جائے، وہ دکان دکان اور بازار بازار پھر کر ان سے سو
 وصول کرتے ہیں، کبھی کبھی وہ سہ پہر سے شام تک شہر کے مختلف حصوں
 میں گشت لگا کر قرض لینے والوں کو بنگاہ میں رکھتے ہیں اور انھیں ”شک“
 کڑھل جانے کا موقع نہیں دیتے جو اس قسم کے قرض لینے والوں کی عادت
 نانیہ ہوتی ہے، حیدرآباد میں ایک عرب نژاد ملکی نے میرے ایک استاد
 سے کہا تھا کہ اُسے روزانہ تقریباً آٹھ دس میل گھومنا پڑتا ہے اور بعض بعض
 مرتبہ گھنٹوں تک میں رہنا پڑتا ہے، یہ نہیں ہوتا کہ صبح پاڑی معمولی
 پھلوں کا کاروبار کرنے والے چلہ فروش، پھیری والے آئے اور

اور ماہوار ، ہفتے وار یا روزانہ کے حساب سے وصول کرتے ہیں ، ان کو اپنی اصل رقم وصول کرنے کی زیادہ فکر نہیں ہوتی بلکہ یہ صرف سود وصول کرتے رہنا چاہتے ہیں ، اس لیے یہ نیشنل مشہور ہے کہ ”مول سے بیاج پیارا“۔

گو ہم نے ان تینوں طبقوں میں فرق کیا ہے مگر عملی حیثیت سے یہ فرق بہت مشکل ہے ، بالخصوص پہلے دو گروہوں میں کوئی خاص تیز نہیں کی جاسکتی ، چنانچہ مسٹر عطار اللہ اپنی انگریزی کتاب ”پنجاب میں امدادِ باہمی کی تحریک“ کے صفحے ۵۳ پر لکھتے ہیں ۔

”ہندوستانی بینکار اور ساہوکار میں کوئی بڑا فرق نہیں ہے اور ان دونوں میں تیز کرنا بہت مشکل ہے ، اگر ساہوکار اپنے پیشے کے علاوہ تجارت کرنا ہے تو بینکار بھی ایسا ہی کرتا ہے ، امتیازی صورت صرف یہی باقی رہ جاتی ہے

رُپڑ لے گئے اور شام کو یا سہ ہفتے یا ہر مہینے حسبِ وعدہ پورا قرض مع سود ادا کر گئے یا نیا معاملہ طر کر کے قرض دینے والے کو مطمئن کر گئے ان معمولی حیثیت کے لوگوں کو سود حاصل کرنے کے لیے بڑی محنت کرنا پڑتی ہے گویا یہ سود خام سود نہیں ہوتا بلکہ ”اجرتِ آمیر سود“ ہے ، گویا اصطلاح نئی ہے مگر اس نوعیت کے کاروبار کو ظاہر کرنے کے لیے صحیح ہے۔ بعض وقت قرض لینے اور دینے والوں میں گالی گلوج دنگے فساد اور مار پیٹ کی نوبت بھی آجاتی ہے ، لہذا ان سب باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کی شرح سود کی زیادتی بڑی حد تک ناجائز نہیں ہوتی۔

کہ ساہوکار کے ہاں بینکاری بالکل ابتدائی درجے میں ہوتی
ہی اور بینکار کے ہاں اس کی صورت بہت کچھ منظم ہو جاتی
ہی۔“

ایل، سی جین اپنی کتاب ”ہندستان میں انڈین بینکنگ“ میں
اس مسئلے پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب دیسی بینکار بھی وہی کام
کرتے ہیں جو ہمارے بینک کرتے ہیں تو پھر ان میں اور مغربی ملکوں کے
منظم بینکوں میں کیا فرق ہے؟ اس سلسلے میں وہ تین فرق بتاتے ہیں
پہلا یہ کہ بینکاروں کے پاس امانتوں کی مقدار کل کاروباری سرمائے
کے لحاظ سے بہت کم ہوتی ہے، مگر منظم بینکوں کا احضار ہی امانتوں پر
ہے، دوسرے منظم بینک نقد رقم کی شکل میں رُپیہ بہت کم ادا کرتے ہیں
ان کی ادائیاں چکوں کی صورت میں ہوتی ہیں، مگر ہندستانی بینکار
نقد رُپیہ ادا کرتے ہیں، اگرچہ بعض بینکاروں کے پاس چک اور
پاس بکوں (حسابی کتابوں) کا رواج ہوتا ہے مگر ان کا طبع صرف
مقامی علاقے تک محدود ہوتا ہے، تیسرے یہ کہ ہندستانی بینکار رُپیہ
کے لین دین کے علاوہ دوسرے کاروبار بھی کرتے ہیں اور بینک
صرف رُپیہ کے لین دین تک محدود ہوتے ہیں، اگرچہ ابتدا میں یہ
بینک بھی ایسا ہی کرتے تھے مگر اب وہ صرف رُپیہ کا کاروبار کرتے
ہیں۔

بہر حال ہندستان میں بینکاری کسی ایک ذات کے ساتھ مخصوص
نہیں بلکہ مختلف ذاتیں مثلاً جینی، مارواڑی، ملتانوی، بنیے اور چٹی
وغیرہ ہیں مگر ان میں سب سے زیادہ منظم ناتو کو تیسرا چٹی

ہیں، ان کی شاخیں نہر دستان سے باہر بھی پھیلی ہوئی ہیں، جہاں ان کے نیم کام کرتے ہیں اور ماہوار یا ہفتے وار رپورٹ اپنے مالکوں کو بھیجتے رہتے ہیں، ہندوستانی بینکار عموماً انگریزی سے ناواقف ہوتے ہیں اور نہ یہ کسی مدرسے اور کالج میں پڑھتے ہیں بلکہ ان کی تعلیم گھر پر ہوتی ہے، جب لڑکا بارہ سال کا ہو جاتا ہے تو باپ کی دکان پر بحیثیت ملازم کام کرنے لگتا ہے، دو چار سال بعد اس کی شادی ہو جاتی ہے، اب وہ اپنا کاروبار الگ شروع کر دیتا ہے، ان کی بعض ذاتوں میں رُپیہ پیدا کرنے کا جذبہ اس قدر غالب ہے کہ ان کی عورتیں بھی دوسری عورتوں میں رُپی کا لین دین کرتی ہیں، بعض ذاتوں میں ان کی اپنی انجنیں بھی ہوتی ہیں، جن کے قواعد بہت معمولی ہوتے ہیں، ان کا حسابی سال ۱۵ کار تک بدی سے شروع ہوتا ہے، جس دن دیوالی ہوتی ہے، اور یہ ”بچھی“ دیوی کی پوجا کرتے ہیں، بچھی، دھن دولت اور خوش حالی کی دیوی ہے، یہ لوگ عام طور پر بات کے پکے اور زبان کے سچے ہوتے ہیں، حسابی معاملے میں کچھ رورعایت نہیں کرتے اور اس مثل پر پورے طور پر عمل کرتے ہیں۔ ”حساب جو جو“

Nattu Kottia chetties بخشش سو سو۔

صحیح طور پر معلوم نہیں ہو سکا کہ ان کا کس قدر سرمایہ کاروبار میں لگا ہوا ہے، مگر زراعت، اندرونی تجارت، اور چھوٹی چھوٹی صنعتوں میں انہی ہی کا رُپیہ لگا ہوا ہے، صوبائی بینکنگ کی تحقیقات کرنے والی کمیٹیوں کے اندازوں کے مطابق ۱۹۲۵ء میں برطانوی ہند کے زرعی قرضے کی مقدار ۹ ارب کے قریب تھی، اس مقدار

کا بڑا حصہ انھی لوگوں کے سرمائے پر مشتمل ہے، اندرونی تجارت اور چھوٹی صنعتیں اس کے علاوہ ہیں۔

یہ لوگ پرائیسری نوٹوں، رسیدوں، دستاویزوں کی شکل میں قرض دیتے ہیں اور چیزوں کی ضمانت پر بھی قرض دیتے ہیں، پراپرٹی نوٹ میں قرض لینے والا ایک تحریر لکھ دیتا ہے جس میں شرح سود بھی درج ہوتی ہے، اس پر ٹکٹ بھی لگانا پڑتا ہے، رسید میں صرف رقم وصول ہونے کی تحریر ہوتی ہے، دستاویز میں کل رقم، شرح سود، اور مدت وغیرہ بھی درج ہوتی ہے، مکان اور زمین رہن کر کے بھی قرض دیا جاتا ہے، اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ چیزیں رہن کرنے والے کے قبضے میں رہتی ہیں۔ ایسی صورت میں اس کو مکان کا کرایہ یا زمین کا لگان دینا پڑتا ہے، دوسرے یہ کہ ان پر بینکار کا قبضہ ہو جاتا ہے اور کرایہ یا لگان وہی وصول کرتا ہے چاندی، سونے اور ان کے بنے ہوئے زیوروں پر بھی قرض ملتا ہے سونے کی صورت میں اصلی قیمت کے آدھے سے کچھ زیادہ اور چاندی کی شکل میں آدھی سے کچھ کم رقم قرض مل جاتی ہے، بعض وقت چیزیں رہن بالوفا کر دی جاتی ہیں اس کا یہ مطلب ہے کہ اگر رقم معینہ مدت کے اندر ادا کر کے چیز نہ چھڑالی گئی تو وہ بینکار کی ہو جائے گی۔ ماہوار یا روزانہ قسطوں پر بھی قرض ملتا ہے، مگر قسطوں کی صورت میں اصل مدت میں اضافہ کر دیا جاتا ہے، مثلاً ایک شخص نے سو روپیہ قرض لیے اب وہ ان کو دس روپیہ ماہانہ کے حساب سے دس ماہ میں ادا کر سکتا ہے لیکن اس کو بارہ ماہ تک قسطیں ادا کرنا ہونگی

قرض دینے کا ایک اور طریقہ ”ہاتھ اُدھار“ کہلاتا ہے، یہاں بغیر کسی دستاویز، تحریر یا گواہ کے قرض مل جاتا ہے مگر یہ رقم صرف آپے لوگوں کو مل سکتی ہے جن کی ساکھ بہت اچھی ہے، قرض لینے والے کو رقم لینے وقت چاند، سولج یا اپنی اولاد کی قسم کھانی پڑتی ہے، اور ان قرضوں میں کبھی بے ایمانی نہیں ہوتی، شاید اس کی وجہ عقیدے کی کمزوری ہو کہ اگر قسم کے خلاف کیا گیا تو مصیبت کا سامنا ہوگا۔

زرعی قرضوں میں بیج کا لین دین عام ہے۔ بیج لینے وقت یہ وعدہ کیا جاتا ہے کہ فصل پر سویا، ڈیڑھ یا دو گنا غلہ دیا جائے گا، بعض وقت بٹائی کا وعدہ ہوتا ہے، یعنی جتنا غلہ پیدا ہوگا اس میں سے نصف سا ہو کار کا ہوگا اور نصف قرض لینے والے کے پاس بیج رہے گا، کبھی قرض لینے والے کو یہ وعدہ کرنا پڑتا ہے کہ وہ اپنی پیداوار بیکار کے ہاتھ ہی فروخت کرے گا، اور کبھی کبھی یہ سودا فضل کے کٹے سے پہلے ہی ہو جاتا ہے۔ اکثر لوگ اپنی زاید رقمیں ان کے پاس محفوظ کر دیتے ہیں، مگر ان کی امانتوں کی مجموعی مقدار زیادہ نہیں ہوتی، ان کے ہاں چالو کھاتوں اور مقینہ مدت والی امانتوں کی شرح سود میں فرق ہوتا ہے، مثلاً آسام میں پہلی رقم پر چار سے نو فی صدی اور دوسری رقموں پر چھو سے ۱۰ فی صدی تک سودا کیا جاتا ہے، بمبئی میں گرم بازاری کے زمانے میں شرح چار سے چھ اور سرد بازاری کے زمانے میں تین سے چار فی صدی تک رہتی ہے، بنگال میں چھو سے بارہ روپی تک سود ملتا ہے، اجیر اور دہلی کے بینکار یا تو امانتیں بالکل نہیں رکھتے یا صرف اپنے رشتے داروں اور دوستوں کی ترہ

بطور امانت محفوظ رکھتے ہیں۔

یہ لوگ ہنڈی کا کاروبار بھی کرتے ہیں، چونکہ ہنڈی کا طریقہ ملک میں بہت قدیم زمانے سے جاری ہے، اس لیے یہ لوگ اس کام سے خوب واقف ہیں، پھر ہندستان میں ہنڈی کی ”واپسی“ کو بہت معیوب سمجھا جاتا ہے اور وہ ہمیشہ ادا ہو جاتی ہے اس لیے اس کام میں خطرے کم ہیں، یہ ان کی آمدنی کا ایک معقول ذریعہ ہے۔

ان کے پاس حساب کتاب کی مختلف کتابیں ہوتی ہیں جن کو ”بھی“ کہا جاتا ہے، مثلاً روکڑ بھی، نقل بھی، کھاتا بھی، بیاج بھی، روزنامہ وغیرہ کھاتا ہے اور روزانچے میں ایک طرف وہ رقم لکھی جاتی ہے جو انہوں نے دی ہے اور دوسری طرف وہ رقمیں درج کی جاتی ہیں جو آج ان کو وصول ہوئیں، روزانہ شام کو حساب ہونے کے بعد معلوم ہو جاتا ہے کہ آج کتنا کاروبار ہوا، بعضوں کے ہاں سود بھی یا بیاج بھی کے نام سے ایک الگ کتاب ہوتی ہے جس میں صرف سود کا حساب درج ہوتا ہے ہر بینکار کے کاروبار کے حساب رکھنے کا طریقہ الگ ہوتا ہے چنانچہ ایک ہی شہر میں بڑے بڑے بینکار اپنے حساب دوسروں سے الگ رکھتے ہیں، مثلاً جین نے بتایا ہے کہ صرف پنجاب میں پندرہ ہزار قسم کے مختلف حسابی طریقے رائج ہیں، بعض لوگوں کے ہاں خفیہ نشان اور علامتیں بھی ہوتی ہیں، جو ان کے مخصوص حسابی طریقوں میں مدد دیتی ہیں۔

ہر بینکار کے ہاں شرح سود مختلف ہوتی ہے، اگر قرض لینے والا صاحب اعتماد ہے تو شرح آٹھ سے بارہ فی صدی ہوتی ہے،

اگر معمولی شخص ہی تو بارہ سے ۲۷، ۲۸ فی صدی اور جن کاروبار میں خطرے زیادہ ہوں وہاں پچاس سے سو فی صدی تک سود لیا جاتا ہے۔ بگڑے ہوئے زمینداروں، تعلقے داروں اور جاگیرداروں سے بھی سود زیادہ لیا جاتا ہے، زیوروں کی ضمانت پر جو قرض لیا جاتا ہے اس کی شرح ۱۷ سے ۱۸ فی صدی تک ہوتی ہے، ہینڈیوں کی شرح بھی بازاری حالتوں، مقامی ضرورتوں اور گرم و سرد بازاری کے تحت بدلتی رہتی ہے، چنانچہ یہ ہینڈیوں پر ۶ سے ۱۳ ۱/۲ فی صدی تک بٹا سکتے ہیں، گو بعض صورتوں میں ان کی شرح سو دہت زیادہ ہے مگر عدالت کسی صورت میں ۶ فی صدی سود سے زائد کو تسلیم نہیں کرتی۔

ادل تو ان کی شرح سود ہی زیادہ ہوتی ہے پھر اس پر طرہ یہ کہ بعض اور جائز اور ناجائز طریقوں سے اپنے موکلوں سے ڈیپے ایشٹے ہیں، مثلاً بعض لوگ دس روپیہ پر چار آنے یا ڈھائی روپیہ سیکڑہ ”کھائی“ وصول کرتے ہیں اور جب تک یہ رقم وصول نہ ہو قرض نہیں ملتا، کان پور میں ڈھائی روپیہ سیکڑہ ”گنگا جی“ کے نام سے بطور خیرات وصول کیا جاتا ہے، وسط ہند میں ”زیدامائی“ کے نام سے رقم مانگی جاتی ہے، دوسرے مقامات پر مندروں، دیوتوں اور گنوشالوں کے نام سے رقم جمع کی جاتی ہے، بعض لوگ قرض لیتے وقت ”دستوری“ (دستور کے مطابق) نذرانہ ”گرہ کھائی“ (روپیہ کی تھیلی کی گرہ کا کھولنا) کے ناموں سے رقم وصول کرتے ہیں۔ بنگال میں بعض ساہوکار خود ہی دلائی کے نام سے ۲۵ روپیہ سے ۵۰ روپیہ

سینکڑ تک وصول کر لیتے ہیں بعض وقت قرض لینے والے کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ بینکار کے بعض کام مفت کرے، اگر وہ کاشتکار ہے تو اس کے جانوروں کو اپنے کھیتوں پر رکھے، یا بینکار کے گھر چارہ، لکڑی، ترکاریاں اور پھل وغیرہ مفت پہنچائے، اگرچہ ان لوگوں کو تہواروں پر انعام و اکرام مل جاتا ہے مگر چیزوں کی قیمت نہیں ملتی، بعض بینکار اپنے موٹلوں کو گھی یا دودھ کی "بنڈور" باندھنے پر مجبور کرتے ہیں اور ان کی قیمت بہت کم یا بالکل نہیں دیتے، بعض بینکار اپنے معمولی موٹلوں سے گھر کے کام مثلاً سالانہ صفائی، لیپائی، پوتائی لکڑیوں کی کٹائی وغیرہ میں مدد لیتے ہیں، جہاں بینکار خود بھی کاشت کرتے ہیں وہاں ان کے مویشی اور ہل بکھر اپنی زمینوں میں چلاتے ہیں، اور ان ہی کی گاڑیوں میں اپنا غلہ منڈیوں تک بھیجتے ہیں۔

ان سامہوکاروں کے نقصانات بھی ہیں مثلاً ایک چونکہ ان کا ذاتی سرمایہ کاروبار میں لگا ہے اس سے ملک کے قومی سرمائے کو نقصان پہنچتا ہے، اور لوگوں کو اپنی رقمیں بطور امانت رکھنے کی ترغیب نہیں ہوتی، کیونکہ دیہات میں ان کے سوا اور کوئی ادارہ ایسا نہیں جہاں رقم امانت رکھی جاسکے، دوسرے یہ اپنی اعلیٰ شرح سود اور مزید مطالبوں سے عوام کو نقصان پہنچاتے ہیں اور ان کی کمزوریوں سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں جو ہرگز مناسب نہیں کبھی یہ ان کی زمینوں پر قبضہ کر لیتے ہیں اور کاشتکاروں کو زرعی مزدوروں میں تبدیل کر دیتے ہیں، اس لین دین کی وجہ سے کاشتکاروں کی آمدنی کا بڑا حصہ ان کی جیب میں چلا جاتا ہے، اور اس سے ان کی زراعت اور معیار زندگی کو

نقصان پہنچا ہے، پھر ان کی وجہ سے ملک میں کوئی منظم "بازار زر پیدا نہیں ہو سکتا، کیونکہ نہ تو ان کے ذخیرے ریزرو بینک کے پاس محفوظ ہیں اور نہ کسی اور طریقے سے ان میں اور دوسرے بینکوں میں کوئی تعلق ہے، اور اچھے بازار زر کی عدم موجودگی ملک کی تجارت، صنعت اور زراعت سب ہی کے لیے غیر مفید ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ ان کی شرح سود زیادہ ہوتی ہے مگر اس میں چند باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے، پہلے تو ہمارے کاشتکاروں کی ساکھ بہت معمولی ہوتی ہے اور ان کے پاس ضمانت کے واسطے کوئی معقول چیز نہیں ہوتی، پھر ان کو چھوٹی چھوٹی رقموں کی مختلف اوقات میں ضرورت ہوتی ہے جو بینکوں سے پوری نہیں ہو سکتیں، اس کے علاوہ اکثر ان کو شادی بیاہ یا دوسری تقریبیں کرنے کے لیے بھی رپی کی ضرورت ہوتی ہے، مگر بینک ایسے غیر پیداوار کاموں کے لیے قرض نہیں دیتے، مگر ساہوکار ایسا قرض بھی دیتے ہیں، یہاں اصل ڈوب جانے کا بھی کافی خطرہ ہے، چنانچہ اکثر ساہوکاروں کی کافی رقمیں ڈوبن کھاتے میں ہیں یا صرف ان کا سود وصول ہو رہا ہے اور سرمائے کے وصول ہونے کی کوئی توقع نہیں، پھر ان کو رقموں کی وصولی کے لیے ملازم رکھنا پڑتے ہیں، اور کبھی کبھی مقدمے بازی کا خرچ بھی برداشت کرنا پڑتا ہے، اس طرح ان کی شرح سود میں بہت سی چیزیں شامل ہو جاتی ہیں اور اس کو خالص سود نہیں کہہ سکتے۔ دوسری بات ایسی ساہوکارے کی موافقت میں یہ کہی

جاسکتی ہے کہ بینکوں سے لین دین کرنے میں ضابطوں اور قاعدوں کی وجہ سے جھنجٹ زیادہ ہوتی ہے، مگر ساہوکار کے یہاں یہ بات بہت کم ہے، اکثر ساہوکار بات کے پکتے اور زبان کے سچے ہوتے ہیں اور آڑے وقتوں میں بھی کام آتے ہیں، خلوص، دیانت مروت جو ہندوستانی تہذیب کی نمایاں خصوصیتیں تھیں وہ کچھ کچھ اب بھی ان میں پائی جاتی ہیں۔ یورپی طرز کی بینکاری میں بے دردی اور مشینی قسم کی غیر متعلقہ پائی جاتی ہے، خوش سلوکی بھی ہمارے ساہوکار کی خصوصیت ہے، بعض مرتبہ یہ لوگ غیر سودی قرض بھی دیتے ہیں، مثلاً حیدرآباد میں لمباڑوں (ایک خانہ بدوشی قسم کی قوم جو مولیوں یا دوسری قسم کی معمولی تجارت کرتی ہے) کو شادی کے موقعوں پر غیر سودی قرض دیا جاتا ہے، گویا اس سے پتا چلتا ہے کہ پیداوار اور اغراض کے لیے سودی اور معقول سماجی اغراض کے لیے غیر سودی قرض کا بھی دستور پایا جاتا ہے۔

بہر حال یہ تو سب تسلیم کرتے ہیں کہ ہندوستانی بینکار عوام کا خون چوستے ہیں، غریبوں اور حاجت مندوں کی کمزوریوں سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں، مگر اس حقیقت سے بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ ملک کی ساری زراعت اندرونی تجارت اور صنعت و حرفت کا کچھ حصہ انہی کے بل بوتے پر چل رہا ہے ہندوستان کے سات لاکھ دیہات میں کہیں بینک کی شاخ نہیں اڑھائی ہزار بڑی آبادیوں میں سے صرف چار سو آبادیاں ایسی ہیں جہاں منظم بینک یا ان کی شاخیں ہیں، اس وجہ سے ان کا

وجود ضروری معلوم ہوتا ہے، چنانچہ بینکاری کی صوبائی کمیٹیوں اور مرکزی کمیٹی نے ان کے وجود کو ضروری خیال کیا، البتہ یہ سفارش کی کہ ریزرو بینک سے ان کا احاطہ ہونا چاہیے، تاکہ ان کے وہ نقصانات کم ہو جائیں جو ان کی وجہ سے ملک کو پہنچتے ہیں اور ان کی موافقت میں بہت سی سفارشیں کی تھیں، مگر ایک طرف تو خود یہ بینکار اپنی آزادی کو محدود نہیں کرنا چاہتے، دوسری طرف جب ریزرو بینک قائم ہو گیا تو اس نے تحقیقات کے بعد ان کو اپنے ساتھ شامل کرنے پر کچھ زیادہ رضامندی کا اظہار نہیں کیا، چنانچہ دیسی بینکار آزادانہ طور پر ملک کے کاروبار میں حصہ لے رہے ہیں اور خوب نفع کما رہے ہیں۔

بارھواں باب

بینکوں کے بعض مسائل

کسی دوسرے کے مکان میں اگر ہم رہتے ہیں تو اس کے استعمال کا معاوضہ کرائے کی صورت میں ادا کرتے ہیں، اسی طرح جب کسی دوسرے کی رقم کو ہم اپنے کسی استعمال میں لاتے ہیں تو اس کا معاوضہ سود کی شکل میں ادا کرتے ہیں، بات ایک ہی ہے، مگر یہ مسئلہ بڑے قدیم زمانے سے بحث و مباحثہ کا موضوع رہا ہے، اس چھوٹی سی کتاب میں اس اہم مسئلے پر تفصیلی طور پر روشنی نہیں ڈالی جاسکتی، تاہم مختصر طور پر یہ بتانے کی کوشش کی جائے گی کہ سود اور ربا کیا ہے؟ اور دراصل ان دونوں لفظوں کو غلطاً تسلط کر دینے سے یہ دشواریاں پیدا ہوتی ہیں اور جس قدر ربا ناجائز ہے اسی قدر سود ضروری اور جائز ہے۔ سود کی بحث کا پتا بہت قدیم زمانے سے چلتا ہے، قرآن، وید، انجیل، توریت، پُرانے فلاسفوں اور قانون سازوں کے یہاں اس کا ذکر موجود ہے، قرآن نے ربا کو حرام قرار دیا ہے اور ربا کے لینے اور دینے والے دونوں گناہ گار ہیں، انجیل اور توریت میں بھی اس کی مانعت ہے، وید بھی سود کے خلاف ہے، البتہ ان کے ہاں اتنی اجازت ہے کہ اجنبیوں اور مشتبہ آدمیوں سے سود لیا جاسکتا ہے، لیکن وہاں بھی چند شرطیں تھیں یعنی بادشاہ کی سالگرہ

کے موقع پر یا نئے بادشاہ کی تخت نشینی پر یا اہل کی رقم دوگنی ہونے کی صورت میں مزید سود کا لینا روک دیا جاتا تھا، روم کے قانون سازوں نے بھی ربا کو قانوناً ناجائز قرار دیا۔ البتہ اتنی رعایت رکھی تھی کہ اگر کوئی چیز قرض فروخت کی جائے تو بیچنے والا نقد رقم کے مقابلے میں اس کی قیمت میں تھوڑا سا اضافہ کر سکتا ہے۔

اُس زمانے میں سود کی ممانعت کی ایک وجہ یہ تھی کہ آبادیاں چھوٹی چھوٹی ہوتی تھیں اور قرض لینے اور دینے والے ایک ہی خاندان یا قبیلے کے لوگ ہوتے تھے، اور قرض سے آپس کی محبت اور خلوص میں فرق آجاتا تھا، دوسرے چونکہ صرف افراد قرض کا لین دین کرتے تھے اور کاروبار کرنے والے ایک دوسرے کے سامنے ہوتے تھے اس لیے قرض دینے والے کا احساس برتری اور قرض لینے والے کا احساس کمتری نہ صرف افراد تک محدود رہتا تھا بلکہ خاندانوں اور قبیلوں تک پھیل جاتا تھا، تیسرے اس زمانے میں اشتراک خاندان کا رواج تھا اور افراد کے بجائے خاندان کو معاشرے کی اکائی سمجھا جاتا تھا، لہذا اس طرح خاندانوں کی مخالفت مجموعی حیثیت سے قبیلوں میں منافرت پیدا کر کے سیاسی کمزوریاں پیدا کر دیا کرتی تھی۔ پھر اس زمانے میں نہ کاروبار اتنے بڑے پیمانے پر ہوتے تھے، اور نہ مشینوں کا رواج تھا، صنعت و حرفت اور زراعت کا دائرہ بہت ہی چھوٹا ہوتا تھا، آمدورفت اور نقل و حل کے ایسے آسان ذرائع موجود نہ تھے اس لیے تجارت بھی محدود تھی، اس وجہ سے کثیر سرمائے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا، اس وقت دولت

کے اندوختے پیدا در کاموں میں استعمال نہ ہوتے تھے بلکہ وہ محض دولت کے طور پر صرف کرنے کے لیے قرض لیے جاتے تھے، اور اس پہانے سے چالاک آدمی غریبوں اور ضرورت مندوں کو اپنے قابو میں کر لیا کرتے تھے، سود ان کی آمدنیوں پر ایک طرح کا بار ہوتا تھا، اس وجہ سے سود کی ممانعت ضروری تھی اور یہ ممانعت صحیح بھی تھی کیونکہ اس وقت تک زر کی پیداواری کا مفہوم لوگوں کے دماغ میں موجود نہ تھا، چنانچہ ارسطو سود کی مخالفت کرتا ہے کیونکہ وہ زر کو بانجھ مرغی سے تشبیہ دیتا ہے، یاروما کی قدیم سلطنت میں ۳۴۱ قبل مسیح جینیوسی کے قانون کی رو سے سود لینا قطعی ممنوع قرار پایا، مگر اس کے کچھ عرصے بعد حبشی نیشن نے ایک قانون وضع کر کے سود در سود کی تو ممانعت کی مگر بعض صورتوں میں سود کی اجازت دے دی اور وجہ بتائی کہ پہلے سود کی ممانعت اس وجہ سے ہوئی تھی کہ قوم کی حالت بڑی خراب دختہ تھی، مگر اب تاجراً کاروبار نے کافی ترقی کر لی ہے، لہذا تجارتی اغراض کے لیے سود کی شرح پر سود کا لین دین جائز ہے

اس سلسلے میں ایک اور بات کا پتا چلتا ہے کہ اگر عوام سود دینے کے لیے تیار ہوں تو قانون کے ذریعہ ان کو روکا نہیں جاسکتا، چنانچہ جب روما میں جینیوسی کا قانون رائج تھا تو لوگ طرح طرح کی ترکیبوں سے سود لیا کرتے تھے، یا فردن وسطیٰ میں جب مسیحی مقننوں نے سود کے لین دین کو ممنوع قرار دیا تب بھی ایسا ہی ہوتا تھا اور قانون سے بچنے کے لیے سود کی شکل بدل دی

جاتی تھی، مثلاً تحفوں کی صورت میں سود لیا جاتا تھا یا، ایک اور ترکیب یہ ہوتی تھی کہ قرض لینے والا اپنی کوئی چیز قرض دینے والے کے ہاتھ فروخت کر کے رُپڑے لے لیتا تھا اور جب رُپڑے واپس کرنے کا وقت آتا تو اس چیز کی زیادہ قیمت دے کر پھر واپس خرید لیتا تھا یا مسلمانوں کے ہاں سود لینے کو بُرا سمجھا جاتا ہے مگر عوام نے ایک ترکیب یہ نکالی ہے کہ سود لینا بُرا ہے مگر سود دینا معیوب نہیں، حالانکہ مذہبی حیثیت سے دونوں کی صورت ایک ہی ہے

گویا یہ کہنا چاہیے کہ پرانے زمانے میں سود نہیں بلکہ ربا کا رواج تھا، اور اسی کی مذہبی اور قانونی طور پر ممانعت تھی، اور ربا یعنی سود کی انتہائی شکل یا شرح سود کی نامناسب زیادتی یا کسی کی کمزوری اور ضرورت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر زیادہ سود وصول کرنے کو آج بھی اچھا نہیں سمجھا جاتا، ایسی ساہوکاروں کو اسی لیے برا کہتے ہیں کہ وہ اکثر اس قسم کا سود وصول کرتے ہیں۔ اسی قسم کے دوسرے سود خواروں کو آج بھی معاشرے میں اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا، اور قانون بھی ان کے ساتھ نہیں ہے، اور وہ شرح سود اور اس کے مضر اثرات کو کم سے کم کرنے کی فکر میں رہتا ہے۔

آج کل سود کا مفہوم بدل گیا ہے، اب سود اصل کے استعمال کا معادضہ ہے، اور اصل وہ دولت ہے جو مزید دولت پیدا کرنے کے لیے استعمال کی جا رہی ہے، جو رقم پیدا در کاموں کے لیے لی جاتی ہے اور اس کا جو سود ادا کیا جاتا ہے وہ کوئی آدمی اپنی جیب سے ادا نہیں کرتا، بلکہ اس رقم کو کاروبار میں لگانے سے جو منافع ہوتا ہے اسی میں سے سود ادا کیا جاتا ہے، بینک، ڈاک خانے یا دوسرے

اوارے ہماری امانتوں پر جو سود ادا کرتے ہیں وہ اپنی گروہ سے نہیں دیتے بلکہ وہ ہماری رقموں کو کاروبار میں لگا کر نفع کماتے ہیں اور جس طرح ہم کسی کاروبار، تجارت، زراعت یا مشترک سرمائے کے کاروبار میں ڈیپو لگا کر منافع حاصل کرتے ہیں، اسی طرح بینکوں اور ڈاک خانوں میں اپنی رقمیں جمع کر کے منافع کے مستحق ہوتے ہیں، دراصل اس کو ان معنوں میں سود کہنا ہی غلط ہے، اور اس کا لینا بھی معیوب نہیں۔

بینکوں کا نظام بہت پیچیدہ اور ان کا انتظام کافی دشوار ہے، تجارتی گرم و سرد بازاری کے دوروں سے گزرنا، بازار کے حالات کو دیکھتے ہوئے شرح سود مقرر کرنا، بے اعتمادی کے زمانے میں عوام کی یورشوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنا، یہ چند ایسے مسائل ہیں جن میں بڑی ہوشیاری اور احتیاط سے کام لینا پڑتا ہے اور ذرا سی بھول چوک یا لغزش سے یا تو بینک کا دیوالا بھل جاتا ہے یا ساکھ کم ہو کر کاروبار بٹ ہو جاتا ہے۔

تجارت اور کاروبار میں دو طرح کے زمانے آتے ہیں، ایک وہ جب نئے نئے کاروبار کھلتے ہیں پورانے کاروبار خوب نفع کماتے ہیں، لوگوں کو روزگار مل جاتا ہے، رُپئی کی سرطرف سے مانگ ہوتی ہے، اجرتوں میں اضافہ ہوتا ہے اور چیزوں کی قیمتیں بھی بڑھ جاتی ہیں، تجارت میں ترقی ہوتی ہے، کمثرت مال و اسباب ادھر سے ادھر جاتا ہے اور اس سے ریلوں اور چنگی کی آمدنی بڑھ جاتی، اعتبار میں اضافہ ہو جاتا ہے اور اس وجہ سے بٹے اور سود کی شرحیں بھی بڑھ جاتی ہیں، غرض کہ ہر طرف چہل پہل نظر آتی ہے اور اسی کو گرم

بازاری کہتے ہیں، ان کے برخلاف دوسری طرف سرد بازاری ہوتی ہے، جب نئے کاروبار نہیں کھلتے، پڑانے یا توپٹ ہو جاتے ہیں یا ان کی رفتار مدہم پڑ جاتی ہے، مال کم تیار ہوتا ہے اور فروخت بھی کم ہوتا ہے اس وجہ سے منافع بھی کم ہو جاتا ہے، تجارت میں کمی ہونے لگتی ہے ریلوں اور جنگی کی آمدنی میں تخفیف ہو جاتی ہے، بے روزگاری بڑھنے لگتی ہے، اعتبار گھٹ جاتا ہے اور بٹے اور سود کی شرحیں بھی کم ہو جاتی ہیں، ان دونوں زمانوں کا کئی کئی سال تک دور دورہ رہتا ہے، اور جس طرح ہر چڑھاؤ کے بعد اتار کا آنا ضروری ہے، اسی طرح ہر گرم بازار کے بعد سرد بازاری کا آنا لازمی ہے۔

گرم و سرد بازاری دونوں کا اثر کاروباری آدمیوں، تجارتی جماعتوں مالی اداروں، بینکوں، حصوں اور زر کے بازاروں سب ہی پر پڑتا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ سرد بازاری کس طرح شروع ہوتی ہے؟ سب سے پہلے کاروباری آدمیوں کو نیچے، ہر آدمی کا دوبارہ دو حصوں میں بٹا ہوتا ہے ایک طرف اس کو کچھ رقمیں دوسروں کو ادا کرنا ہوتی ہیں، دوسری طرف اس کو کچھ رقمیں دوسروں سے وصول کرنا ہوتی ہیں، ایک کاروباری آدمی اپنی واجب رقم وقت پر ادا نہ کرے تو وہ اپنے کاروبار کو سخت نقصان پہنچاتا ہے، کیونکہ اس کا اعتبار اور ساکھ ختم ہو جاتی ہے اور اس زمانے میں کوئی آدمی بغیر ساکھ کے کاروبار کر ہی نہیں سکتا لیکن یہ شخص اپنی رقمیں اسی وقت ادا کر سکتا ہے جب کہ دوسرے اس کو رقمیں ادا کریں مگر دوسرے لوگ بھی اسی ہتھیار میں رہتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کسی ایک شخص کی رقم وقت پر ادا نہیں

ہوتی، اور اس کا دیوالا نکل جاتا ہے، جہاں کسی ایک آدمی کا دیوالا نکلا بس ایک زلزلہ سا آجاتا ہے جس طرح کسی اینٹوں کے ڈھیر میں سے ایک اینٹ ہٹتے ہی دوسری اینٹیں کھسکنے لگتی ہیں، اسی طرح ایک آدمی کے دیوالے سے دوسرے متاثر ہوتے ہیں، اور تباہی کا ایک عام سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، یہی صورت کارخانے داروں، تاجروں، جماعتوں اور بینکوں کو پیش آتی ہے۔

اس مصیبت کے وقت کاروباری طبقے کے لیے سب سے اہم چیز یہ اطمینان ہے کہ وہ اپنی رقمیں وقت پر ادا کر سکتے ہیں، ان کو نقد رقم کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ قرضہ درکار ہوتا ہے اور یہ قرضہ بھی ان کو براہ راست دینے کی ضرورت نہیں بلکہ ان کی جائیداد سے ان لوگوں کو دیا جائے جن کو ان سے رقمیں وصول کرنا ہیں، یہ کام صرف بینک ہی انجام دے سکتے ہیں، بینکوں کو نقد رقم بہت کم قرض دینا پڑتی ہے کیونکہ بڑے بڑے کاروباری آدمی تم نہیں مانگتے وہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ دوسروں کا حساب بے باقی کر دیں اور دوسرے ان کی رقمیں ادا کر دیں، چنانچہ بینکوں میں ان لوگوں کے نام امانتی کھاتے کھول دینے سے یہ مصیبت بڑی حد تک کم ہو جاتی ہے اور کاغذی حساب سے لین دین ہو جاتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ جب مصیبت کا حل اس قدر آسان اور سہل ہے تو بینک اس سے کیوں گریز کرتے ہیں اور کیوں لوگوں کے نام امانتی کھاتے کھول کر سرد بازاری کا خاتمہ نہیں کر دیتے، بات یہ ہے کہ بینک صرف انہی لوگوں اور جماعتوں کو قرض دینا چاہتے

ہیں جن میں قرض ادا کرنے کی صلاحیت ہے، لیکن یہ اندازہ بہت مشکل ہے کہ کن لوگوں میں قرض ادا کرنے کی قوت اور سکت ہے اور کن میں نہیں، عام بے اطمینانی کی وجہ سے اچھے اور بُرے دونوں کا رد بار ایک سطح پر آجاتے ہیں، مگر اس حلقے میں دو طرح کے لوگ ہوتے ہیں ایک وہ جن کی مالی حالت اچھی ہوتی ہے، جو صرف عارضی مشکلوں میں گھر جاتے ہیں، ان کو قرض دینے میں کوئی خطرہ نہیں، دوسرے وہ جن کی مالی حالت پہلے ہی سے خراب ہوتی ہے، یعنی ان میں سرمایہ غلط طریقے پر لگا ہے یا کاروبار کا اندازہ اور منافع کا تخمینہ غلط ہو ہے یا کاروبار میں کوئی اور خرابی ہے جس کی وجہ سے ان کا تباہ ہونا لازمی ہے اور ان کی کمزوریاں معمولی حالات میں دبی رہتی ہیں لیکن غیر معمولی حالات میں نمایاں ہو جاتی ہیں، ایسے لوگوں کو قرض دینا خود قرض دینے والے کی بھی تباہی کا باعث ہوتا ہے، اس لیے کس کی مدد کی جائے اور کس کی نہ کی جائے۔ یہی سوال ماہر بینکاری کے فیصلے کی اعلیٰ ترین قوتوں کی آزمائش کا ہے، صحیح فیصلے سے اچھے نتیجے پیدا ہوتے ہیں اور ذرا سی غلطی سے ہزاروں ڈوب جاتے ہیں اور اپنے ساتھ دوسروں کو بھی لے ڈوبتے ہیں، لیکن اس ادارے کی ذمہ داری خواہ وہ صحیح ہو یا غلط کوئی خانگی بینک اپنے سر لینے کے لیے تیار نہیں ہو سکتا۔ یہ کام مرکزی بینک کا ہے جو ملک کا صدر بینک ہونے کی وجہ سے بینکوں اور کاروباری جماعتوں کے کاروبار سے بہت کچھ واقف ہوتا ہے، اور اپنے آپ کو خطرے میں ڈال کر دوسروں کی مدد کرتا ہے، چنانچہ ۱۹۷۱ء میں بینک آف

فرانس نے پیرس کے بینکاری کے ایک بڑے ادارے کی مدد میں اپنے آپ کو خطرے میں ڈال دیا، سن ۱۹۳۶ء میں جب انگلستان کی ایک بڑی انجمن ”بیرنگس“ پر آنچ آئی تو انگلستان بینک نے اس کی ضمانت کے سلسلے میں بڑی حد تک اپنے آپ کو زیر بار کر لیا، سن ۱۹۳۶ء میں جرمنی کے رائس بینک نے ایک دوسرے بڑے بینک کی امداد میں اس خطرے کو برداشت کیا، ہمارا ریزرو بینک ابھی نیا ہی اس لیے ابھی تک اس کو کوئی ایسا موقع پیش نہیں آیا لیکن جب وقت آئے گا تو اس کو بھی دوسروں کی مدد کرنا ہوگی۔

بہر حال بینکوں کے لیے یہ بڑا نازک زمانہ ہوتا ہے کیونکہ ایک طرف تو ان کو قرضوں کی عام بازاری طلب کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے اور دوسری طرف لوگ خود ان بینکوں سے اپنی امانتیں واپس لینا شروع کر دیتے ہیں، خاص طور پر جب کسی اچھی ساکھ والے آدمی کا دیوالا ہل جاتا ہے تو عوام بہت زیادہ حواس باختہ ہو جاتے ہیں اور بدحواسی جتنی بڑھتی ہے اتنا ہی مرحلہ شدید ہو جاتا ہے، کیونکہ ایک کا اثر دوسرے پر، دوسرے کا تیسرے پر پڑتا ہے، اسی طرح تجارتی جامعیتیں، مالی ادارے اور بینک متاثر ہونے لگتے ہیں، لوگوں کا بینکوں پر اعتبار کم ہو جاتا ہے اور وہ اپنی رقمیں ان سے واپس لے کر خود اپنے پاس محفوظ رکھنا چاہتے ہیں، اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ بینکوں کی امانتیں اور ان کے ذخیرے کم ہونے لگتے ہیں، جتنی ان چیزوں میں کمی ہوتی ہے اتنا ہی اعتبار اور گھٹتا ہے، غرض کہ سرطرف سے مصیبت ہی مصیبت آجاتی ہے، اس مصیبت کا خاتمہ کسی ایک

بنک کے بس کی بات نہیں بلکہ اس کا علاج مرکزی بینک کے ہاتھ میں ہی، یعنی وہ نئے نوٹ چھاپ چھاپ کر ضرورت مندوں کو قرض بھی دے اور بینکوں کے گاہکوں کو ان کی امانتیں بھی واپس دے، مگر قانون کی رو سے ہر مرکزی بینک پابند ہوتا ہے کہ ایک خاص مقدار سے زائد نوٹ بغیر سونا رکھے جاری نہ کرے، اس لیے بینک عارضی طور پر اس قانون کو منسوخ کر دیتا ہے، اور بعد میں حکومت سے منسوخی کی اجازت لے لیتا ہے، قانون کی منسوخی اعتبار پیدا کرنے میں بڑی مدد دیتی ہے، بعض وقت تو مزید نوٹ جاری کرنے کی نوبت ہی نہیں آتی اور صرف قانون کی منسوخی کا اعلان ہی مرحلہ ختم کر دیتا ہے، گویا مالی پریشانی اور اضطراب کا علاج ملک کے بینکاری کے عمدہ اور اعلیٰ نظام پر موقوف ہے۔

بڑے بینکوں کے ہر ہفتے حسابی گوشوارے شایع ہوتے ہیں مرکزی بینک کا گوشوارہ ان میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے، گوشوارہ تیار ہو جانے کے بعد ناظموں کی مجلس میں پیش کیا جاتا ہے اور مجلس سارے حسابات کو دیکھتے ہوئے یہ فیصلہ کرتی ہے کہ اس ہفتے بینک کی شرح کیا رہنا چاہیے۔ اگر وہ دیکھتی ہے کہ بینک کے پاس سونے یا امانتوں کی مقدار کم ہو رہی ہے تو وہ شرح بڑھا دیتی ہے، اس طرح مرکزی بینک سے سونا نکلتا بند ہو جاتا ہے اور امانتوں کی مقدار بھی بڑھنے لگتی ہے، واضح رہنا چاہیے کہ مرکزی بینک امانتوں پر سود نہیں دیتا مگر اس کی شرح کے اضافے سے دوسرے بینک بھی اپنی شرح میں اضافہ کر دیتے ہیں، اس طرح ملک کی مجموعی امانتوں کی

مقدار بڑھنے لگتی ہے اور جب دوسرے بینکوں کی امانتیں بڑھتی ہیں تو ان کے وہ ذخیرے بھی بڑھ جاتے ہیں جو مرکزی بینک میں محفوظ رکھے جاتے ہیں، اگر مجلس سونے اور امانتوں کی مقدار کو کافی سمجھتی ہے تو وہ شرح کو قائم رکھتی ہے یا کم کر دیتی ہے، چونکہ مرکزی بینک کی شرح کا اثر سارے بازار پر پڑتا ہے اس لیے عام حالات میں شرح میں بہت کم تبدیلی کی جاتی ہے، ہر وقت یا ہر نئے کی تبدیلی سے ملک کی تجارت اور کاروبار پر بڑا اثر پڑتا ہے، چنانچہ چند مرکزی بینکوں کی شرح حسب ذیل ہے:-

| | | |
|--------------------------|------------------|----------|
| بنک آف فرانس | ۲ جنوری ۱۹۳۹ء سے | ۲ فی صدی |
| نیویارک فیڈرل ریزرو بینک | ۲۶ اگست ۱۹۳۷ء سے | ۱ |
| بنک آف اٹلی | ۱۸ مئی ۱۹۳۷ء سے | ۴ ۱/۲ |
| ریزرو بینک آف انڈیا | قیام سے اب تک | ۳ |

اس چھوٹی سی کتاب میں ہندستانی بینکوں کی حالت اور ان کے کاموں کی تفصیل پوری طرح پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور جیسا بتایا جا چکا ہے کہ ہندستان میں بینکوں نے زیادہ ترقی نہیں کی، اسباب کا ذکر پہلے باب میں کیا جا چکا ہے، البتہ یہاں ایک بات کا ذکر خاص طور پر کرنا ضروری ہے اور وہ ہندوستانیوں کی رُپیہ دفن کرنے کی عادت ہے، دینے، دفن کرنے والوں اور ملک والوں کے لیے مضر ہے کیونکہ یہ رُپیہ بڑھتا اور پھلتا پھوٹتا نہیں، ملک کو یہ نقصان ہوتا ہے کہ اس طرح کی چھوٹی چھوٹی رقمیں جمع ہو کر ایک بڑی رقم بن کر ہندستان جیسے ملک میں جہاں سرمائے کی بڑی کمی ہے کام آسکتی تھیں، اس

کمی کو بیرونی سرمائے سے پورا کیا جاتا ہے جو ہر حکاٹ سے ملک کے لیے نقصان دہ ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ عادت کیوں پیدا ہوئی اور اس کے کس طرح دور کیا جاسکتا ہے؟

ہندستان کی تاریخ بتاتی ہے کہ اس ملک پر ہمیشہ حملے ہوتے رہے اس لیے یہاں کے باشندوں نے حملہ کرنے والوں کے ڈر سے اپنا رپیہ سونے اور چاندی کی شکل میں زمین میں گاڑنا شروع کیا، رفتہ رفتہ یہ ہر ہندوستانی کی عادت بن گئی، پھر نرارتے زمانے میں ایسے کاروبار بھی نہ تھے جہاں رپیہ لگایا جاتا، شراکت اور حصے داری کے کاموں کی نہ تو رجسٹری ہوتی تھی اور نہ کوئی قانونی پابندی تھی، دھوکے اور فریب کے موقع بہت زیادہ تھے، اس لیے لوگ اپنا مال اپنی نظر کے سامنے ہی رکھتے تھے، مگر نقد رپیہ پاس رکھنے میں خرچ ہو جانے کا بڑا ڈر تھا۔ اس خطرے سے بچنے کے لیے زیور بنوائے جانے لگے، اور مصیبت کے وقت ان کو فروخت کر کے یا رہن رکھ کر نقد رقم بھی حاصل کر لی جاتی تھی، اس طرح زیور امارت کا نشان بن گئے، اور اب تک عورتوں کو ان کا بڑا شوق ہے، کھاتے پیتے گھرانوں میں سونے کے اور متوسط طبقے میں چاندی کے زیور بڑے مقبول ہیں، ان کی دیکھا دکھی وہ غریب جن کو چاندی بھی میسر نہیں گھٹ، رائگ اور سیسے کے زیوروں ہی سے اپنا دل بہلا لیتے ہیں، ہندستان، اکثر ملکوں کے مقابلے میں بہت غریب ہے، مگر اس غریب کے باوجود یہاں سونے، چاندی کی مانگ بہت زیادہ ہے، چنانچہ ۱۸۷۲ء میں جب سونے کے حساب سے چاندی

کی قیمت گر رہی تھی، یہاں کثرت سے چاندی خریدی جا رہی تھی، حالانکہ اس طرح ملک کو $۶۴\frac{1}{2}$ کروڑ روپے کا نقصان ہوا، ^{۱۹۲۲} ۱۹۲۱ء تک دس سال کے عرصے میں ہندستان میں ۴۸۲ کروڑ روپے کا سونا اور چاندی باہر سے آئی اور اس کا بڑا حصہ زیوروں کی شکل میں تبدیل ہو گیا، ملک میں کتنی چاندی یا سونا دفن ہو یا زیوروں کی شکل میں محفوظ ہو اس کا صحیح اندازہ مشکل ہے، لارڈ کرزن نے اس کی مقدار ۸۲۵ کروڑ، روپے بتائی، امریکہ کے ایک تجارتی کشٹریٹ، ایپرائس نے دس ارب کا تخمینہ لگایا، مگر بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ تخمینہ صحیح نہیں چنانچہ اس کا کچھ اندازہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ جب ^{۱۹۳۱} ۱۹۳۱ء میں انگلستان نے معیارِ طلا کو ترک کر دیا تو سونے کی قیمت بڑھنے لگی اس وقت سے ۵ فروری ۱۹۳۲ء تک ۳ ارب ۱۰ کروڑ کا سونا باہر سے باہر گیا، دوسرے مقاموں سے باہر جانے کی سونے کی مقدار زیادہ نہ تھی۔

مگر ہندوستانوں کے متعلق یہ سمجھنا کہ ان کو صرف روپیہ دفن کرنا ہی آتا ہے صحیح نہیں، اگر انہوں نے ابتدائی زمانے میں مغربی طرز کے بینکوں، اور دوسرے کاروبار مثلاً ریلوں، چائے اور کافی کے باغوں اور دوسرے کارخانوں میں حصہ نہیں لیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت حکومت ہند یہاں کے معاشی معاملوں میں دخل نہ دیتی تھی اور حکومت کی مدد کے بغیر نئے کاروباروں کا دوسرے ملکوں کے پُرانے اور جے ہوئے کارخانوں سے مقابلہ کرنا آسان کام نہ تھا، اس لیے ہندوستانی خطرناک کاموں میں روپیہ لگانے کی

ہمت کیسے کر سکتے تھے؟ نیز اس وقت جن بیرونی سرمائے داروں نے یہاں رپیہ لگایا ان کی حوصلہ مندی کی بھی زیادہ تعریف نہیں کی جاسکتی، بے شک انھوں نے ایک غیر ملک میں رپیہ لگایا، مگر حکومت نے ان کو نہ صرف منافع کی ضمانت دی، بلکہ رقمی مدد کے علاوہ دوسری رعایتیں بھی دیں، ان کے مقابلے میں وہ ہندستانی زیادہ حوصلہ مند تھے جنھوں نے حکومت کی بے رحمی اور بے نیازی کے باوجود کپڑا بننے کی صنعت میں رپیہ لگا کر اس کو ترقی دی۔ جنگ عظیم کے زمانے سے جب حکومت کی پالیسی میں تبدیلی ہوئی تو ہندستانی ہر کاروبار میں حصہ لینے لگے، ہندستانی حکومت کا بڑا نا قرضہ اور اس کا جنگ کا سارا قرضہ جن کی مقدار کئی ارب تک پہنچ گئی ہے، ہندستانیوں ہی کا ہے، حالانکہ اب تک ہندستانوں کو وہ سہولت حاصل نہیں جو بدیسی سرمائے داروں کو حاصل ہے، مگر پھر بھی وہ ان سے پیچھے نہیں، پھر جو سرمایہ یہاں کے کاروبار میں لگا ہوا ہے اس کا بڑا حصہ شہروں اور قصبوں سے فراہم کیا گیا ہے، کیونکہ دیہات میں نہ تو رپیہ جمع کرنے والے ادارے ہیں اور نہ وہاں تعلیم اور واقفیت ہے، وہاں جو لوگ رپیہ کالین دین کرتے ہیں انھوں نے وہی طریقے اختیار کر رکھے ہیں جن پر ان کے باپ دادا چلتے تھے، حالانکہ دیہات میں ایسے مال دار اور صاحب حیثیت کاشتکار، جا جن اور ساہوکار موجود ہیں جن کو اس موجودہ نظام کے تحت لا کر فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

ڈاک خانے ہیں چار آنے کے بجائے دو روپڑی جمع کرنے کا

نیا طریقہ یہاں کے غریب اور متوسط طبقے کی ہمت افزائی کا باعث نہیں ہو سکتا، پُرانے طریقے کو پھر اختیار کرنے کی ضرورت ہے، ڈاک خانوں کی شاخیں بڑے بڑے گائندوں میں قائم ہونی چاہئیں، حسابی کتابیں اور رسیدیں وغیرہ انگریزی کے بجائے دیسی زبانوں میں ہونا چاہئیں، پروپیگنڈے سے لوگوں کو رقیں جمع کرنے کی غیب دی جائے، عورتوں میں یہ کام خاص طور پر ہونے کی ضرورت ہے جیسا کہ بہار کی بینکاری کی کمیٹی نے تجویز کی تھی "استری دھن" سرٹیفکٹ یا اسی قسم کے دوسرے آسان اور سہل طریقے رائج کر کے عورتوں سے رپیہ حاصل کرنے کی کوشش ہونا چاہیے۔

ملک میں بینکاری کی تعلیم کی بھی اشد ضرورت ہے، اس وقت صرف ایک ادارہ ہے جو "انڈین انسٹی ٹیوٹ آف بینکرس" کہلاتا ہے، یہ چودہ سال سے قائم ہے، اس کے رکن ساڑھے چار سو بینک ہیں، ۱۹۴۰-۴۱ء میں اس کے امتحان میں نندرہ سو طالب علم شریک ہوئے، یہ اپنے اراکین کی بینکاری کی معلومات میں اضافہ کرنے کی خاطر ایک رسالہ بھی شایع کرتا ہے، اور اس کے مختلف مرکزوں پر تقریروں کا بھی انتظام ہے، مگر سندھستان جیسے وسیع ملک میں صرف ایک ادارہ کس طرح کافی ہو سکتا ہے اس شعبے کو ملک کے عام کاجوں کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہیے۔

بہر حال ضرورت ہے کہ دفن کیے ہوئے رُپی کو باہر نکال کر کاروبار میں لگایا جائے، بینکاری کی تعلیم ملک میں عام کی جائے

تاکہ ایک طرف اچھے اور مستند بینک قائم ہو سکیں اور دوسری طرف
 عوام بینکوں سے کاروبار کر سکیں اور فائدہ اٹھا سکیں، چند
 لوگوں کی خوش حالی، سماج کی خوش حالی ہے اور سماج کی خوش
 حالی ہمارے سارے ملک کی خوش حالی ہے۔ جہاں مذہب، ذات
 پات، نسل اور رنگ کسی کا امتیاز نہیں۔

پہلا ضمیمہ

ریزرو بینک کا ۵ دسمبر ۱۹۴۱ء کو ختم ہونے والے ہفتے کا
گوشوارہ

صیغہ بینکاری — (الف) دین داریاں

| | |
|-------------------|-----------------------------------|
| سرماہ | ۵ کروڑ |
| ریزرو فنڈ | ۵ کروڑ |
| امانتیں | (الف) حکومت × |
| | (۱) مرکزی حکومت ۱۵ کروڑ ۸۴ لاکھ |
| | (۲) برما کی حکومت ۲ " ۷۹ " |
| | (۳) دوسری صوبائی حکومتیں ۲ " ۶۲ " |
| (ب) بینک | ۴۲ " ۴۸ " |
| (ج) دوسری امانتیں | ۳ " ۲۷ " |
| ہنڈیاں | ۱ " ۳ " |
| دوسری دین داریاں | ۳ " ۸۱ " |

میزان ۴۹,۰۰۰,۰۰۰, ۸۹, ۸۳ روپے

(ب) اثاثے

| | |
|--------------------------|----------------|
| ۱) نوٹ - ۱ - ہندستان میں | ۹ کروڑ ۵۵ لاکھ |
| ۲ - برما میں | " ۱۶ |

| | |
|-------------------|---|
| ۷ لاکھ | (۲) سٹے - ۱ - رُپڑ کے سٹے |
| " ۴ | ۲ - دوسرے چھوٹے سٹے |
| " × | (۳) مہنڈیاں - اندرونی دبیردنی |
| " ۶ | (۴) گورنمنٹ ٹریزری بلس |
| " ۴۳ کروڑ | (۵) بیرونی حسابات (نقد اور تسک وغیرہ ۶۴ کروڑ) |
| " × | (۶) حکومتوں کو دیے ہوئے قرضے |
| " × | (۷) دوسروں کو دیے ہوئے قرضے |
| " ۲۰ لاکھ | (۸) دوسرے کاروبار میں لگا ہوا رُپیہ |
| " ۳۴ کروڑ | (۹) دوسرے اثاثے |
| ۸۳,۸۹,۷۹,۰۰۰ رُپی | میزان |

صیغہ اجرائی نوٹ

(الف) دین داریاں

صیغہ بینکاری والے نوٹ ۹ کروڑ ۷۱ لاکھ

بازار میں گھومنے والے نوٹ (الف) ہندستان میں ۲۹۴ " ۸۶ "

(ب) صرف برائیں ۲۰ " ۳۱ "

۳۲۴ " ۹۰ "

کل جاری شدہ نوٹ

۳۲۴,۹۰,۰۰۰ روپے

دین داریوں کی کل میزان

(ب) اثاثے

(۱) سونا اور خام دھاتیں (الف) ہندستان کے اندر ۴۴ کروڑ ۴۱ لاکھ

(ب) ہندستان باہر

۱۹۷ کروڑ ۶۳ لاکھ

(۲) اسٹرنگ کے تمک

" ۳۵ " ۳۶

(۳) روپی کے سٹکے

" ۴۹ " ۴۶

(۴) حکومت ہند کے روپی والے تمک

(۵) ہنڈیاں۔ اندرونی و بیرونی

۳۲۴,۹۰,۰۰۰ روپے اثاثوں کی جملہ میزان

کل دین داریوں کے مقابلے میں سونے اور خام دھاتوں کی

مقدار کا تناسب ۴۹/۴۷ فی صدی ہے

دوسرا ضمیمہ

امپیریل بینک آف انڈیا کا ۵ دسمبر ۱۹۴۱ء عیسوی کو ختم ہونے والے ہفتے کا گوشوارہ

(الف) دین داریاں

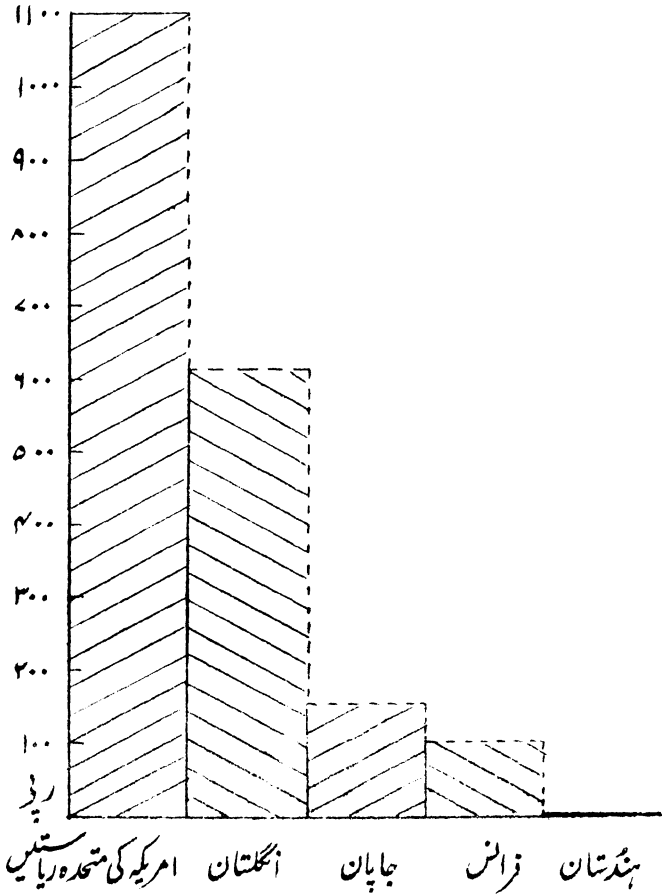
| | |
|---------------------------|--|
| ۵ کروڑ ۶۲ لاکھ | سرمایہ |
| " ۶۲ " ۵ | ریزرو فنڈ |
| " ۷۷ " ۱۰۸ | معیاری اثاثیں، سیونگ بینک، چالو کھاتے اور دوسرے حساب |
| " ۱ " ۱ | |
| میزان ۱۲۱,۲۳,۲۸,۰۰۰ روپیہ | متفرق کامد |

(ب) اثاثے

| | |
|---------------------------|---|
| ۶۲ کروڑ ۶۹ لاکھ | (۱) کاروبار - (الف) حکومت کے تسک |
| " ۲۳ " ۱ | (ب) دوسرے کاروبار |
| " ۹۷ " ۶ | (۲) قرضے |
| " ۸۴ " ۱۷ | (۳) نقد قرضے اور اور ڈرافٹ |
| " ۶۳ " ۴ | (۴) خریدی ہوئی اور بیٹھا کٹی ہوئی ہنڈیاں |
| " ۷۸ " ۱ | (۵) ڈوبن کھانا |
| " ۱۰ " ۱ | (۶) متفرق کی مد |
| " ۹۴ " ۱۸ | (۷) اپنے پاس ور ریرو بینک کے پاس والی نقد رقم |
| " ۵ | (۸) دوسرے بینکوں میں حساب |
| میزان ۱۲۱,۲۳,۲۸,۰۰۰ روپیہ | |

تیسرا ضمیمہ

مختلف ملکوں میں فی کس امانتوں کا اوسط رُپوں میں



چوتھا ضمیمہ

اصطلاحیں

الف

| | |
|------------------------|------------------------|
| Assets | اثاثے |
| Monopoly | اجارہ |
| Institution | ادارہ |
| Stock Exchange | اسٹاک ایکسچینج |
| Credit | اعتبار |
| Bill of Credit | اعتباری دستاویز |
| Medium of Exchange | آلہ مبادلہ |
| Deposit | امانت |
| Depositer | امانت دار |
| Co-operative Societies | امداد باہمی کی انجمنیں |
| Hoarding | اندوختہ ، دھینہ |

ب

| | |
|--------------|------------------|
| Barter | بارٹر |
| Money Market | بازار زر |
| Bank | بینک |
| Banking | بینکاری - بینکنگ |

Banker

بینکار

Bank Rate

بینک کی شرح

Crisis

بحران، مالی پریشانی

پ

Matured Bill

پختہ بندڈی

Savings

پس انداز

ت

Speculation

تخمین

Auditor

تنقیح کرنے والا

Security

تسک

ث

Roundsome Money

ثابت رقم

ج

Schedule Bank

جدولی بینک

چ

Cheque

چک

Current Account

چالوکھا تا

ح

Clearing House

حساب گھر

Share

حصہ

Share-Holder

حصہ دار

خ

Private

خانگی

د

Indeginous Banker

دستی بینکار

Liability

دین داری

Broker

دلال

Insolvency

دیوالا

ڈ

Dead-stock

ڈوبن کھانا

ذ

Gold Standard Reserve

ذخیرہ معیار طلا

ر

Days of grace

رعایتی دن

Reserve Fuud

ریزرو فنڈ، سرمایہ محفوظ

ز

Money

زر

Legal Tender

زر قانونی

Life Insurance

زندگی کا بیمہ

س

Capital

سرمایہ

Joint Stock Bank

سرمایہ مشترک کا بینک

Credit

ساکھ
سیونگ بینک

Saving Bank

شس

Rate of Interest

شرح سود

ص

Issue Department

صیغہ اجرائی نوٹ

Banking Department

صیغہ بینکاری

Bankers, Bank

صدر بینک یا بینکوں کا بینک

ع

Call Money

عند الطلب رقم

غ

Inconvertible

غیر بدل پذیر

Non-Schedule Bank

غیر جدولی بینک

ق

Installment

قسط

ک

Account

کھاتا

م

Exchange

مبادلہ

Exchange Bank

مبادلہ بینک

Foreign Exchange

مبادلات خارجہ

Legislature

مجلس قانون ساز

| | |
|-----------------|--------------|
| Limited Company | محدود کمپنی |
| Central Bank | مرکزی بینک |
| Society | معاشرہ، سماج |
| Charter | منشور |
| Fixed Deposit | معیاری امانت |
| Sundries | متفرق کی مد |

ن

| | |
|----------------------------|-----------------|
| Director | ناظم |
| Board of Directors | ناظموں کی مجلس |
| Cash Credit | نقد اعتبار |
| Representative Paper Money | نیابتی زر کاغذی |

ہ

| | |
|--------------------|----------------------|
| Weekly Return | ہفتہ واری گوشوارہ |
| Bill of Exchange | منڈی |
| To accept a Bill | منڈی سکارنایا قبولنا |
| To discount a Bill | منڈی پر تباکاشنا |
| Drawer of a Bill | منڈی لکھنے والا |
| Drawee of a Bill | منڈی لینے والا |

۱۳۸
پانچواں ضمیمہ
امدادی کتابیں

1. **Indian Economics** G. B. Jathar and S. G. Beri.
Vol. 2. 4th Edition 1937. Oxford University Press.
2. **The Mechanism of Exchange** John A. Todd. O.U.P. London.
3. **The Co-operative Movement in the Punjab.** Ataullah 1937.
4. **India Before the Crisis**
George Allen & Unwin Ltd., London. Brij Narain 1935.
The Indian Press Ltd., Allahabad.
5. **Central Banking in India 1773-1934.**
(with special reference to the Reserve Bank.)
Om Parkash Gupta 1934. The Hindustan Times Press, Delhi.
6. **Indigenous Banking in India.** L. C. Jain. 1932
Macmillan & Co. Ltd., Bombay.
7. **Money & Banking 1938-39** League of Nations Series. Geneva.
8. **Functions & Working of the Reserve Bank of India 1941.**
Reserve Bank of India, Bombay.
9. **Report on Currency & Finance 1940-41.**
Reserve Bank of India, Bombay
10. **The Insurance Year Book 1940-41.**
11. **The Indian Year Book 1940-41 (27th Edition)**
Times of India Press, Bombay.
12. **The Encyclopaedia Britannica**
Vol. III. 11th Edition.

- ۱۳- معاشیات از حبیب الرحمن عظیم ایٹم پریس حیدرآباد دکن ۱۹۲۹ء
- ۱۴- معیشت الہند از محمد الیاس برنی دارالطبع جامعہ عثمانیہ
- ۱۵- ہندوستانی بینکار }
۱۶- انگلستان بینک } از محمد احمد سبزواری
- جامعہ دہلی جنوری ۱۹۳۸ء
جامعہ دہلی، اکتوبر ۱۹۳۷ء

تیرھواں باب

بینکاری اور جنگ

جنگ کی وجہ سے جو مختلف مصیبتیں پیش آتی ہیں ان میں سب سے زیادہ اہم اور شدید چیز بے اعتمادی کی فضا ہے، دراصل جنگ شروع ہی اُس وقت ہوتی ہے جب کسی وجہ سے دو ملکوں کے درمیان بے اعتمادی پیدا ہو جاتی ہے۔ بینک بے اعتمادی سے سب سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں، کیوں کہ ان کی بنیاد ہی اعتماد پر قائم ہے، چنانچہ جنگ چھڑتے ہی ہر ملک میں بے اعتمادی کی فضا پیدا ہونے لگی، ہندوستانی بینک بھی اس سے متاثر ہوئے، لوگوں نے اپنی امانتیں تیزی سے واپس لینا شروع کر دیں، مگر عموماً بے اعتمادی ایک اضطراری کیفیت کی سی صورت رکھتی ہے اور جب کوئی خطرہ دیرپا یا طویل ہو جاتا ہے تو عوام اُس سے اس قدر دہشت زدہ نہیں رہتے جتنے کہ ابتدا میں ہوتے ہیں، جب جنگ طویل ہوتی گئی اور لوگوں کی دہشت کم ہونے لگی تو اگرچہ امانتوں کی مقدار میں کمی نہیں ہوتی مگر کوئی خاص اضافہ بھی نہیں ہوا۔ مگر اس کے ساتھ جنگ کی وجہ سے کاروباروں کے منافع بڑھنے لگے اور لوگوں کی آمدنی بڑھنے لگی

بعض وجوہ کی بنا پر کتاب کی اشاعت میں دیر ہو گئی، مگر گزرتا ہوا وقت خالی نہ لگتا۔ اس لیے بعض جدید چیزوں کا ذکر اس باب میں کر دیا ہے، اور ساتھ ہی بینکوں کے اعداد کا ایک ضمیمہ بھی شامل کر دیا گیا ہے۔

اور وہ اپنی پس انداز یا زائد رقموں کو اپنے پاس بھی نہیں رکھنا چاہتے تھے اس لیے انھوں نے ان رقموں کو چالاکھاتوں کی شکل میں بینکوں میں رکھنا شروع کر دیا، اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ جب چاہیں اپنی رقم واپس لے سکتے ہیں، چنانچہ جدید بینکوں کے مجموعی اعداد پر نظر ڈالنے سے پتا چلتا ہے کہ اگر میعادی امانتوں میں کمی ہو رہی ہو تو دوسری طرف عندالطلب امانتیں تیزی سے بڑھ رہی ہیں۔

| عندالطلب امانتیں | میعادی امانتیں | سال |
|------------------|----------------|--------------|
| ۱۴۰ کروڑ روپے | ۱۰۶ کروڑ روپے | ۱۹۳۹-۴۰ء |
| ۱۶۴ | ۱۰۵ | ۱۹۴۰-۴۱ء |
| ۳۲۲ | ۱۰۲ | اکتوبر ۱۹۴۲ء |
| ۳۳۳ | ۱۰۵ | نومبر ۱۹۴۲ء |
| ۳۴۰ | ۱۱۰ | دسمبر ۱۹۴۲ء |

اس نقشے کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ میعادی امانتوں کی مقدار کم و بیش یکساں رہی مگر عندالطلب امانتوں میں ۲۰۰ کروڑ کا اضافہ ہو گیا، اس اضافے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کے پاس زائد روپے ہو اور وہ اس کو بچانا بھی چاہتے ہیں، لیکن جنگ کے زمانے کی پریشان کن افواہوں کے ڈر سے نہ تو خود اس کو کسی کاروبار میں لگانا چاہتے ہیں اور نہ میعادی امانتوں کے طور پر بینک میں جمع کرانا چاہتے ہیں، کیوں کہ وہ متذبذب ہیں کہ خدا جانے کل کیا ہو، مگر رقم کو اپنے پاس رکھنے میں بھی خطرہ ہے لہذا وہ ایسی درمیانی صورت اختیار کرتے ہیں کہ ان کے روپی کی حفاظت بھی ہو جائے اور وہ جب چاہیں اپنی رقم واپس بھی لے لیں، مگر جیسا کہ بتایا جا چکا ہے اس قسم

کی رقم سے بینکوں کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا کیوں کہ یہ ہر وقت واپس طلب کی جاسکتی ہے اور بینکوں کو اس کا بڑا حصہ سیالی شکل میں محفوظ رکھنا پڑتا ہے تاکہ حسب ضرورت ان کی ادائیگی ہو سکے، اسی وجہ سے بینک ان رقموں پر سود کم یا بالکل ادا نہیں کرتے، مگر مجموعی حیثیت سے تمام بینکوں میں اس کی مقدار کافی ہو جاتی ہے مثلاً دسمبر ۱۹۴۲ء میں اس کی مقدار ۳۴۰ کروڑ روپے کے قریب تھی، مگر یہ رقم کچھ زائد کارآمد نہ ہونے کی وجہ سے بے کار پڑی رہتی ہے اور ملک کے اصل کا بڑا حصہ کسی مصرف میں نہیں آسکتا۔ حالاں کہ ہر ملک اور خصوصاً ہندستان جہاں سرمایے کی مقدار قلیل ہو اس سے کافی فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

جنگ کا دوسرا اثر یہ ہوا کہ ریزرو بینک کے جاری کردہ نوٹوں کی مقدار میں اضافہ ہونے لگا۔ چنانچہ ذیل کے اعداد سے اس کا اندازہ ہو سکے گا۔

| سال | گردش کرنے والے نوٹ (لاکھ روپوں میں) | کل جاری شدہ نوٹ |
|------------------|-------------------------------------|-----------------|
| اگست ۱۹۳۹ء | ۱,۴۸,۸۹ | ۲,۱۴,۷۸ |
| ۱۹۴۰-۴۱ء کا اوسط | ۲,۴۱,۶۲ | ۲,۵۸,۷۷ |
| ۱۹۴۱-۴۲ء کا اوسط | ۳,۰۸,۲۶ | ۳,۲۰,۶۳ |
| ۲۲ جنوری ۱۹۴۳ء | ۵,۹۰,۷۲ | ۶,۰۵,۱۴ |
| ۱۸ جون ۱۹۴۳ء | ۷,۲۲,۹۲ | ۷,۳۴,۴۵ |

گویا گردش کرنے والے نوٹوں کی مقدار میں ۳۰۴ فی صدی کا اضافہ ہو گیا، عام حالات میں جاری شدہ نوٹوں کی پشت پر سونے اور چاندی کی ایک معینہ مقدار رکھی جاتی ہے، مگر اس مرتبہ

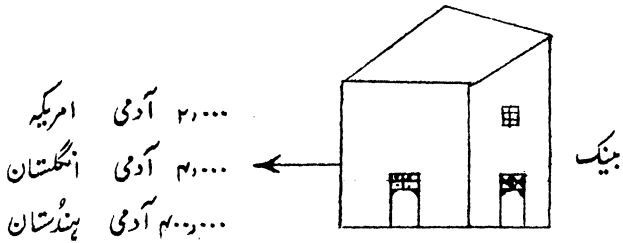
ایسا نہیں ہوا، کیوں کہ حکومت کے پاس اتنا سونا اور چاندی نہ تھا۔ جو موجودہ کثیر مقدار کے لیے کافی ہوتا، لہذا ان نوٹوں کو اسٹرنگ تسکوں کی ضمانت پر جاری کیا، ۱۸ جون ۱۹۴۳ء کو ختم ہونے والے ہفتے میں ریزرو بینک کے پاس صرف ۴۴,۴۱ لاکھ روپے کا سونا یا چاندی یا ان کے سکے تھے اور ۴۸,۵۴ لاکھ روپے کے اسٹرنگ تسک تھے، ان کے علاوہ ۲۰,۷۱ لاکھ کی مالیت کے روپے والے تسک الگ ہیں) حالانکہ آغاز جنگ پر اسٹرنگ تسکوں کی مقدار صرف ۵۹,۵۰ لاکھ تھی، گویا آغاز جنگ سے اب تک اسٹرنگ تسکوں کی مقدار میں ۴۹,۴۹۸ لاکھ روپے کی بیشی ہوئی۔

یہ سوالات بینکاری سے غیر متعلق ہیں کہ اسٹرنگ تسکوں کی مقدار کس طرح بڑھی؟ حکومت کو کثیر مقدار میں نوٹ جاری کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ سونا اور چاندی کس طرح کم ہو گیا؟ چاندی کے سکے کس لیے واپس لیے گئے اور ایک روپے والا رسمی یا غیر بدل پزیر نوٹ کیوں جاری ہوا؟ ہم کو صرف اس سے بحث ہو کہ جب تسک ذخیرہ محفوظ میں رکھے جاتے ہیں تو زر کی مقدار تیزی سے بڑھنے لگتی ہے، کیوں کہ یہ محض کاغذ کے پڑے ہوتے ہیں، اور جب زر کی مقدار بڑھنے لگتی ہو تو اس کا نتیجہ گرانی کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ گرانی محض زائد نوٹ جاری کر دینے ہی سے نہیں ہوتی، بلکہ باہر سے چیزوں کے آنے میں کمی، ملک کے اندر تیار ہونے والی اشیا کا جنگی اغراض کے لیے استعمال اور چیزوں کی ان کی مانگ کے مقابلے میں کمی بھی گرانی کے سبب ہیں، مگر جب روپیہ یا زر بھی ضرورت سے زائد ہو جاتا ہے تو

اس کی قیمت بھی گرنے لگتی ہے، یعنی رُپیہ سستا ہو جاتا ہے اور اس کے مقابلے میں ایشیا گراں ہو جاتی ہیں، جو چیز پہلے ایک رُپڑی میں ملتی تھی اب اس کے دو رُپڑی دینے پڑتے ہیں، اور اس سے زائد رُپڑی کی ادائیگی اس لیے ناگوار نہیں گزرتی کہ ہمارے پاس ایشیا کے مقابلے میں رُپڑی کی مقدار زائد ہوتی ہے، یہ بڑی مضر چیز ہے اور اس سے گرانی کے علاوہ بد اعتمادی بھی پیدا ہوتی ہے اور عوام نوٹوں سے بد دل ہونے لگتے ہیں، اور ان کی قیمت دن بہ دن گرنے لگتی ہے چنانچہ ہمارے سربراہ اور وہ معاشین نے حکومت کی توجہ اس طرف مبذول کرائی ہے، مگر ابھی تک اس کی روک تھام کی کوئی خاص کوشش نہیں ہوئی۔ البتہ اب معلوم ہوا ہے کہ حکومت امریکہ سے کچھ سونا اور چاندی خریدنے کی گفت و شنید کر رہی ہے جس کا مقصد یہی ہے کہ سونا ذخیرہ محفوظ میں رکھا جائے اور چاندی کے سگے چلائے جائیں تاکہ عام بے اعتمادی میں کمی ہو سکے۔

جنگ سے محض نقصان ہی نہیں ہوتا بلکہ اس سے کچھ فائدے بھی حاصل ہو جاتے ہیں۔ ہندستان جیسے پس ماندہ ملک نے گزشتہ جنگ سے بہت کچھ فائدہ اٹھایا اور موجودہ جنگ سے بھی کافی فائدہ حاصل کیا اور ابھی مزید توقع ہے، جنگ کی وجہ سے ہندستانی صنعت و حرفت میں بڑی ترقی ہوئی، نئے نئے کارخانے کھلے، پُرانے کارخانوں میں توسیع ہوئی، چیزوں کی پیداوار بڑھ گئی، لوگ روزگار سے لگ گئے، آمدنی میں اضافہ ہونے لگا، ہماری درآمد کم ہو گئی اور برآمد بڑھ گئی۔ زائد برآمد کی وجہ سے ہم کو اپنے بیرونی قرضوں کا چکوتا کرنے میں بڑی مدد ملی، یہ بھی ظاہر ہے کہ جب صنعتی چہل پہل بڑھتی ہے اور نئے کارخانے

کھلتے ہیں تو بینکوں کا کاروبار اور ان کا منافع بھی بڑھنے لگتا ہے اور جب کسی کام میں منافع بڑھنے لگتا ہے تو لوگ اس کی طرف زیادہ راغب ہونے لگتے ہیں، پھر جیسا کہ بتایا جا چکا ہے ہندستان میں بینکوں کی بڑی کمی ہے اور اس میں بہت زیادہ ترقی کی گنجائش ہے۔ ذیل کے خاکے سے ہمارے ہاں بینکوں کی کمی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔



اب اگر یہ فرض کر لیا جاتے کہ یہ تمام آدمی بینک سے کاروبار کرنے لگیں اور وہ صرف سال میں دو مرتبہ ہی بینک میں آئیں اور بینک پورے بارہ گھنٹے کام کرے تو دو منٹ میں چھو آدمیوں کا اوسط پڑتا ہے اور ظاہر ہے کہ اچھے سے اچھے بینک کے لیے بھی دو منٹ میں چھو آدمیوں کو نمٹانا مشکل ہے۔

جنگ شروع ہونے کے بعد ہندستانی بینکوں نے بھی کافی ترقی کی۔ ستمبر ۱۹۳۹ء کے بعد سے ہندستان میں ۳۸ نئے بینک قائم ہوئے، جن میں سے دو ہندستانی ریاستوں میں ہیں، ان میں سے ۱۶ بینکوں کا سرمایہ ۵ لاکھ یا اس سے زائد ہے، ۶ بینکوں کا ادا شدہ سرمایہ بھی اتنا ہی ہے، اور باقی بینکوں کا مجوزہ سرمایہ ایک لاکھ سے پانچ لاکھ کے درمیان ہے۔ ایک طرف تو یہ شکایت کی جاتی تھی کہ ہندستان میں بینکوں کی

بڑھی گئی ہو، اور دوسری طرف جب یہاں تیزی سے بینک کھلنے لگے تو اپریل ۱۹۷۳ء میں ریزرو بینک کے مرکزی بورڈ نے حکومت کی توجہ اس طرف مبذول کرائی کہ وہ ہندوستان کے قانون کمپنیاں کی دفعہ ۲۷۷ میں ترمیم کرے، جس کے تحت نئی کمپنیاں یا بینک قائم ہوتے ہیں۔

بورڈ نے نئے بینکوں کی حالت پر غور کرنے کے بعد چار اعتراضات کیے ہیں، پہلے تو یہ کہ جدید بینکوں کی اکثریت نے صرف ادا شدہ

سرمائے سے کاروبار شروع کر دیا ہے، حالانکہ یہ مقدار ناکافی ہے، اس کی رائے میں ادا شدہ سرمایہ، مجوزہ سرمائے کا نصف ضرور ہونا چاہیے،

دوسرے یہ کہ حصوں کو معمولی، ترجیحی اور ملتوسی شدہ حصص کی صورت میں تقسیم کیا گیا ہو، مگر ان حصوں کی تقسیم کچھ اس طرح کی گئی ہو کہ اس

میں خرابی پیدا ہونے کا امکان ہو، کیوں کہ آج کل منافع کا اچھا امکان ہو اس لیے کاروبار کا زائد حصہ ملتوسی شدہ حصوں کے لیے محفوظ کیا

جائے گا، مگر یہاں یہ خطرہ ہے کہ منتظمین زائد منافع کے خیال سے کہیں حصے داروں کے مفاد کو پس پشت ڈال کر اس رقم کو کسی تخمینہ کاروبار یا

یا سٹے میں لگا کر منافع کمانے کی کوشش نہ کریں، اور اس میں نقصان کا اندیشہ زیادہ ہو، نقصان کا مطلب بینک کی ناکامی ہے اور ایک

بینک کی ناکامی دوسرے بینکوں پر بھی اثر ڈالتی ہے۔ تیسرے یہ کہ بینکوں کا انتظام صرف دو ایک آدمیوں کے ہاتھوں میں نہ دیا جائے، جو اس

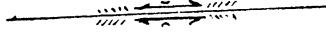
کے مینجنگ ایجنٹ کی حیثیت سے کافی منافع حاصل کر لیں گے اور حصے داروں کا منافع گھٹ جائے گا۔ چوتھے یہ کہ بینکوں کو بنیادی

اور فنی اصولوں پر قائم ہونا چاہیے تاکہ وہ کامیابی کے ساتھ چل سکیں،

اور ساتھ ہی ا صل لگانے والوں کی رقم کی حفاظت بھی ہو سکے، اور ملک کو بھی اُن سے فائدہ پہنچ سکے۔

جہاں تک اعتراضات کا تعلق ہو وہ اپنی جگہ پر ٹھیک ہیں، مگر ہندستانی یہ نہیں چاہتے کہ بینکوں کی راہ میں کچھ ایسی دشواریاں پیدا کر دی جائیں جن سے اُن کی آئندہ ترقی متاثر ہو، کیوں کہ ایک طرف تو ہمیشہ یہ کہا جاتا رہا کہ ہندستانی سرمایہ شرمیلا ہو اور ہندستانیوں میں خطرات برداشت کرنے کی صلاحیت نہیں ہو اور ہندستان کی صنعتی پس ماندگی کا ایک سبب بینکاری کی معقول سہولتوں کی عدم موجودگی بھی ہو، لیکن جب نئے بینک کھلنے لگے اور ہندستانی سرمایہ ان میں لگا یا جا نے لگا تو ان پر پابندیاں عائد کرنا کہاں کی دانش مندی ہو سکتی ہو ہر کاروبار کی ترقی کا ایک زمانہ ہوا کرتا ہو، صنعتی سرگرمی کا دؤر بینکوں کی ترقی کے لیے بہت مفید ہو، لیکن اسی کے ساتھ ساتھ ان میں جو کم زوریاں اور نقائص ہیں ان کو بھی دؤر کرنا ضروری ہو ورنہ وہ بینک جو اس وقت جنگ کی وجہ سے ادا شدہ سرمایے کی کمی اور دوسری خرابیوں کے باوجود جنگ کے غیر معمولی حالات کی بدولت منافع کم رہے ہیں جنگ کے بعد عام حالات کا مقابلہ نہ کر سکیں گے اور یکے بعد دیگرے بینکوں کی تباہی کا ایک سلسلہ شروع ہو جائے گا، جس سے نہ صرف کم زور بینک تباہ ہوں گے بلکہ اچھے بینکوں کو بھی نقصان پہنچے گا، نیز اس کا اثر ملک کی صنعت و حرفت اور عام خوش حالی پر بھی بُرا پڑے گا، ساتھ ہی رُپیہ لگانے والوں کے مفاد کو کسی صورت میں بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، اور نہ ان سے

صرف چند افراد کو مستفید ہونے کا موقع دیا جائے، لہذا مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ترقی میں مزاحمت نہ کی جائے بلکہ ان کے نقائص کو ہم دردانہ طریقے پر دور کرنے کی کوشش کی جائے، اور یہی چیز ملک اور ملکی ترقی کے لیے مفید ہو سکتی ہے، اور ان جدید بینکوں سے جنگ کے بعد ملکی صنعت و حرفت اور دوسرے کاروباروں کو خاطر خواہ امداد مل سکتی ہے۔



ضمیمہ — ہندوستان کی بیگنوں کے چند اعداد

| نمبر | بیگن کا نام | ۱۹۱۱ء میں ہندوستان میں | دبیرہ محفوظ | ایک حصے کی ابتدائی قیمت | ۱۹۱۹ء میں | ۱۹۲۳ء میں | ۱۹۲۷ء میں | ۱۹۳۱ء میں |
|------|---------------------|------------------------|-----------------------|-----------------------------|-----------|-----------|-----------|-----------|
| ۱ | ریزوبیگن | ۵ کروڑ روپیہ | ۵ کروڑ روپیہ | ۱۰۰ روپیہ | ۰ | ۰ | ۰ | ۰ |
| ۲ | اسیریل بیگن | ۵ کروڑ ۲۲ لاکھ روپیہ | ۵ کروڑ ۲۲ لاکھ روپیہ | { ۱۲۵ ۱۴۲ ۲۳۳ } روپیہ | ۱۲ | ۱۲ | ۱۲ | ۱۲ |
| ۳ | الکاباوبیگن | ۲۰ لاکھ روپیہ | ۲۰ لاکھ روپیہ | { ۵۰ } روپیہ | ۱۸ | ۱۸ | ۱۸ | ۱۸ |
| ۴ | بیگن آف ٹاروہ | ۲۰ لاکھ روپیہ | ۲۰ لاکھ روپیہ | ۵۰ | ۱۲ | ۱۰ | ۱۰ | ۱۰ |
| ۵ | بیگن آف انڈیا | ایک کروڑ روپیہ | ایک کروڑ روپیہ | ۵۰ | ۱۱ | ۱۱ | ۱۱ | ۱۱ |
| ۶ | بیگن آف میسر | ۲۰ لاکھ روپیہ | ۲۰ لاکھ روپیہ | ۱۰۰ | ۱۲ | ۱۳ | ۱۳ | ۱۲ |
| ۷ | سنٹرل بیگن آف انڈیا | ایک کروڑ ۶ لاکھ روپیہ | ایک کروڑ ۶ لاکھ روپیہ | ۲۵ | ۹ | ۶ | ۶ | ۸ |
| ۸ | چنارو بیگن آف انڈیا | ۳۰ لاکھ روپیہ | ۳۰ لاکھ روپیہ | ۵ | ۱۲ | ۱۲ | ۱۲ | ۱۲ |
| ۹ | لاٹ بیگن | ۱۶ لاکھ روپیہ | ۱۶ لاکھ روپیہ | ایک روپیہ | ۱۶ | ۱۶ | ۱۶ | ۱۶ |
| ۱۰ | مرگنل بیگن | ۷ لاکھ روپیہ | ۷ لاکھ روپیہ | ایک روپیہ | ۱۴ | ۱۲ | ۱۲ | ۱۲ |
| ۱۱ | نیشیل بیگن آف انڈیا | ۲۰ لاکھ روپیہ | ۲۰ لاکھ روپیہ | ۱۲ روپیہ | ۲۰ | ۲۰ | ۲۰ | ۱۸ |
| ۱۲ | پنجاب نیشیل بیگن | ۹ لاکھ روپیہ | ۹ لاکھ روپیہ | ۱۲ روپیہ | ۲۰ | ۲۰ | ۲۰ | ۱۶ |

ہماری زبان

انجمن ترقی اُردو (ہند) کا پندرہ روزہ اخبار

ہر مہینے کی پہلی اور سولہویں تاریخ کو شائع ہوتا ہے
چند سالانہ ایک رُپیہ فی پرچہ ایک آنہ

اُردو

انجمن ترقی اُردو (ہند) کا سہ ماہی رسالہ

جنوری، اپریل، جولائی اور اکتوبر میں شائع ہوتا ہے
اس میں ادب اور زبان کے ہر پہلو پر بحث کی جاتی ہے۔ تنقیدی اور محققانہ مضامین
خاص امتیاز رکھتے ہیں۔ اُردو میں جو کتنا ہی شائع ہوتی ہیں، اُن پر تبصرے اس رسالے کی
ایک خصوصیت ہے۔ اس کا حجم ڈیڑھ سو صفحے یا اس سے زیادہ ہوتا ہے۔ قیمت سالانہ محصول ایک ڈیڑھ روپیہ ملا کر
سات ڈیڑھ روپیہ (اکھڑے ڈیڑھ روپیہ عثمانیہ) نمونے کی قیمت ایک رُپیہ بارہ آنے (دو ڈیڑھ روپیہ عثمانیہ)

رسالہ سائنس

انجمن ترقی اُردو (ہند) کا ماہانہ رسالہ

اگر انگریزی مہینے کی پہلی تاریخ کو جامعہ عثمانیہ حیدرآباد سے شائع ہوتا ہے
اس کا مقصد یہ ہے کہ سائنس کے مسائل اور خیالات کو اُردو دالوں میں مقبول کیا جائے۔
دنیا میں سائنس کے متعلق جو جدید انکشافات وقتاً فوقتاً ہوتے ہیں، یا بحثیں یا ایجادیں ہو رہی
ہیں اُن کو کسی قدر تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے اور ان تمام مسائل کو حتی الامکان صاف اور سلیس
زبان میں ادا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس سے اردو زبان کی ترقی اور اہل وطن کے
خیالات میں روشنی اور وسعت پیدا کرنا مقصود ہے۔ رسالے میں متعدد بلاک بھی شائع ہوتے ہیں۔
قیمت سالانہ صرف پانچ ڈیڑھ روپیہ (چھو ڈیڑھ روپیہ عثمانیہ)
خط و کتابت کا پتہ: مہتمم مجلس ادارت رسالہ سائنس، جامعہ عثمانیہ حیدرآباد۔ دکن

انجمن ترقی اُردو (ہند)؛ دہلی

دہلی پرنٹنگ کرسن ہٹی

سب سے (یعنی) قصہ حسن و دل

اُردو نثر کی یہ نایاب اور سب سے قدیم کتاب بہت تلاش و جستجو کے بعد خاص اہتمام اور صحت سے چھاپی گئی ہے۔ اس کتاب کے مصنف مولانا دجہی سلطان عبداللہ قلی قطب شاہ کے نام و رشاعر اور ادیب تھے۔ اس کتاب کا سن تصنیف ۱۰۲۵ھ ہے۔ پوری کتاب شروع سے آخر تک مفقعی عبارت میں ہے۔ مع مقدمہ مولانا عبدالحق صاحب قیمت مجلد چار پڑی، بلا جلد تین پڑی آٹھ آنے۔

داستانِ رانی کیتی

یہ کہانی سید انشاء اللہ خاں انشا کی جدتِ طبع کا نتیجہ ہے۔ اس میں یہ التزام رکھا گیا ہے کہ فارسی عربی کا ایک لفظ بھی نہ آنے پائے۔ پھر لطف یہ ہے کہ آج کل کی سی ہندی نہیں کہ نہ لکھنے والا سمجھے اور نہ پڑھنے والا۔ اس سُتھری زبان کو اردو والا بھی سمجھتا ہے اور ہندی والا بھی۔ قیمت چار آنے۔

مینجر انجمن ترقی اُردو (ہند) نمبر ۱، دیرانج پبلی

۳۳۲۶۱۰۹۵۴

آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائیگا۔

کتابخانه

جامعہ اسلامیہ
۱۔ اردو کتب خانہ
۲۔ مجلس ترویج و ترقی تعلیم
۳۔ مدرسہ اسلامیہ
۴۔ مدرسہ عربیہ اسلامیہ
۵۔ مدرسہ اسلامیہ
۶۔ مدرسہ اسلامیہ

۱۔ مدرسہ اسلامیہ
۲۔ مدرسہ اسلامیہ
۳۔ مدرسہ اسلامیہ
۴۔ مدرسہ اسلامیہ
۵۔ مدرسہ اسلامیہ
۶۔ مدرسہ اسلامیہ

۱۔ مدرسہ اسلامیہ
۲۔ مدرسہ اسلامیہ
۳۔ مدرسہ اسلامیہ
۴۔ مدرسہ اسلامیہ
۵۔ مدرسہ اسلامیہ
۶۔ مدرسہ اسلامیہ

